الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ ﷺ

بفیضِ کرم: حضور سیدنا غوث الثقلین حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ

کام وہ لے لیجئے تم کو جو راضی کرے | ٹھیک ہو نام رضا تم پہ کروڑوں درود
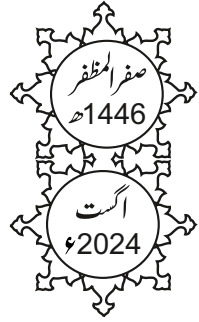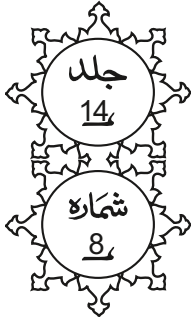
بانی

عطائے مفتی اعظم ہند حضرت مولانا محمد شاکر علی نوری (امیر سنّی دعوتِ اسلامی)

مدیر مسئول
صادق رضا مصباحی

نائب مدیر
مظہر حسین علیمی

معاونین
شاہد رضا نجمی
توحید احمد علیمی

رسالہ پڑھنے سے پہلے غور کریں کہ آپ کا سالانہ زرِ تعاون ختم تو نہیں ہو گیا اگر ایسا ہے تو فوراً منی آرڈر کے ذریعہ ممبری فیس روانہ فرما کر ممبرشپ برقرار رکھیں۔

مراسلت و ترسیلِ زر کا پتہ
ماہنامہ سنّی دعوتِ اسلامی
پہلا منزلا، فائن مینشن، ۱۳۲، کامبیکر اسٹریٹ ممبئی ۴۰۰۰۰۳

فی شمارہ	۲۰/ روپے
سالانہ ممبری فیس	۲۵۰/ روپے
تاحیات	۵۰۰۰/ روپے
بیرونِ ممالک	۲۵/ امریکی ڈالر

SUNNI DAWAT E ISLAMI Monthly
1st Floor, Fine Mansion, 132 kambeker Street, Mumbai 400 003
Phone : (Off) 022-23451292//23434366 E mail : sdimonthly@gmail.com

پرنٹر پبلشر اور ایڈیٹر عرفان ابراہیم کلوڑی نے ٹاپ پرنٹرس سے طبع کرا کر آفس ماہنامہ "سنّی دعوتِ اسلامی" سید عاشق شاہ بخاری مسجد فرسٹ فلور ۱۲۸، رشیدا مارگ چارنل ڈونگری ممبئی سے شائع کیا۔ نوٹ: مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

مشمولات

ادا ریہ

امیر سنی دعوت اسلامی کے قلم سے

علما و مبلغین دیہاتوں کا بھی دورہ کریں

اہل ثروت مدارس و مساجد کے قیام کے ساتھ اسکولس، کالجز اور ہاسپٹلس کے قیام کی طرف بھرپور توجہ دیں

الحمدللہ آقائے کریم ﷺ کے صدقے و طفیل گزشتہ مہینے جولائی کی ۲۹ تاریخ سے ۴ اگست تک زامبیا (Zambia)، ملاوی (Malawi) اور موزامبق (Mozambique) کے دعوتی و تبلیغی دورے پر رہا۔ ۲۹ جولائی کو 'لوساکا' پہنچا جہاں پر احباب نے والہانہ استقبال کیا، یہاں کے مدینہ ہال میں اجتماع ہوا جس میں سیکڑوں افراد شریک ہوئے۔ اِس سے قبل پہلا پروگرام عزیزم محمد حسین پٹیل کے گھر پر ہوا جس میں ان کے احباب و متعلقین نے شرکت کی۔ اسی طرح 'ملاوی، لیلانگوئے' کی جامع مسجد میں پروگرام ہوا جس میں عوام اہل سنت کے علاوہ کثیر تعداد میں علمائے کرام کی شرکت رہی۔

یہاں کے حالات کو دیکھ کر بہت رنج و غم ہوا، دعوتی اسالیب سے ناآشنائی اور تبلیغی میدان میں محنت و مشقت نہ کرنے کے سبب دیہاتوں میں بسنے والے غریب مسلمان دامن اسلام کو چھوڑ کر عیسائیت قبول کر رہے ہیں۔ یہ نہایت افسوس کا مقام ہے کہ ہم اور ہمارے علما و مبلغین بڑے بڑے شہروں میں ہزاروں کی بھیڑ میں دعوت و تبلیغ تو خوب کر رہے ہیں لیکن دیہاتوں میں بسنے والے مسلمانوں تک نہیں پہنچتے، جس کی بنا پر بہت سے پیدائشی مسلمان اپنی ضروریات کی تکمیل نہ ہونے پر اسلام سے برگشتہ ہو رہے ہیں۔ اس دورے میں 'لوساکا' کی سرزمین پر کئی علما سے ملاقات ہوئی جن میں حضرت مولانا ریاض الدین برکاتی (فاضل جامعہ احسن البرکات) حضرت مولانا سید اویس ازہری صاحب سے تبادلہ خیال کے بعد محسوس ہوا کہ دیہاتوں میں دعوت و تبلیغ انتہائی ضروری ہے۔ مسلمانوں کو اسلام پر ثابت قدم رکھنے کے لیے موجودہ دور میں اسکول اور ہاسپٹل کا قیام بہت ضروری ہے۔ اسکولوں میں آنے والے بچے اور بچیوں کو عصری تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم بھی دی جائے اور ہاسپٹل کے ذریعہ کفایتی داموں میں غریبوں کا علاج کیا جائے۔

میں نے سینٹرل افریقہ کے کئی علاقوں کا دورہ کیا تو دیکھا کہ مدارس و مکاتب کے حالات ناگفتہ بہ ہیں۔ طلبہ کو بیٹھنے کے لیے ڈھنگ کی چٹائیاں میسر نہیں ہیں اور بالغ بچیوں کے سر دوپٹوں سے خالی ہیں۔ اس کے برعکس عیسائی اسکولوں کا نظام تعلیم و تربیت اتنا پر کشش نظر آیا کہ ہر بچے کا دل اسی طرف کھنچا جاتا ہے، افریقہ میں بسنے والے اہل ثروت کی یہ اہم ذمے داری ہے کہ وہ مدارس و مساجد کے قیام کے ساتھ اسکولس، کالجز اور ہاسپٹلس کے قیام کی طرف بھرپور توجہ دیں۔ ساتھ ہی ایسے مخلص و محنتی داعیان دین کا اس سرزمین پر پہنچنا بہت ضروری ہے جو کھانے پینے، رہن سہن اور گفت و شنید میں ان کی طرز زندگی کو اپنائیں اور اپنی ذات سے مانوس کر کے توحید و رسالت کا جام انھیں پلائیں۔

سالِ گزشتہ 'موزامبق' کے سفر میں مولانا عبدالرشید صاحب کے دارالعلوم کو دیکھ کر بہت خوشی ہوئی تھی، اِس بار ان کے ادارے میں میرا خطاب بھی ہوا، وہ مجھے ایک ایسی مسجد دکھانے کے لیے لے گئے جو کبھی بہت بوسیدہ عمارت تھی جس پر اب مسجد بنی، اُس علاقے میں خلیفہ اعلیٰ حضرت مبلغ اسلام حضرت علامہ شاہ عبدالعلیم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ نے کم و بیش چھ ماہ قیام فرمایا تھا اور وہاں کے باشندوں کو آپ نے دین کی دعوت پیش کی اور ان کے عقائد و اعمال کی اصلاح بھی فرمائی۔ افریقہ کی سرزمین پر بالخصوص اس کے دیہاتوں میں پہلے سے زیادہ دعوت و تبلیغ کی ضرورت ہے، الحمدللہ! ملاوی میں مولانا نبیل صاحب نے ایک بڑا وسیع و عریض ادارہ قائم فرمایا ہے جس میں بڑی تعداد میں افریقن بچے زیور تعلیم و تربیت سے آراستہ ہو رہے ہیں، اس ادارے میں چند گھنٹوں کا میرا قیام بھی رہا، علاوہ ازیں مولانا عقیل صاحب جو 'لمبی' میں رہتے ہیں اور ایک متحرک و فعال مبلغ ہیں، ان کی رہنمائی میں تقریباً ایک ہزار مکاتب دیہاتوں میں چل رہے ہیں جس سے بہت حد تک اس علاقے کی ضرورت پوری ہو رہی ہے۔ دیگر علاقوں میں بھی اس نہج پر دیہاتوں میں مدارس و مکاتب کے قیام کی سخت ضرورت ہے۔ 'لمبی' کی جامع مسجد کے امام حضرت مفتی عبدالرحمن صاحب سے بھی شرفِ ملاقات رہا، مفتی صاحب ایک مخلص اور دین و سنیت کی تڑپ رکھنے والے انسان ہیں، دیہاتی علاقوں میں کی گئی ان کی خدمات اور جد و جہد کافی رشک کناں ہیں، اللہ پاک ان کی جملہ کاوشوں کو قبول فرمائے! 'موزامبق' کے تینوں شہر (Moputo, Tet, Beira) میں میرا خطاب ہوا۔ خاص طور سے 'موپوٹو' کی سب سے بڑی جامع مسجد میں تفصیلی خطاب کا موقع میسر آیا، جہاں خطیب و امام مفتی محمد افضل ندیم ازہری صاحب اور دیگر علمائے اہل سنت شریک تھے۔ ان کے علاوہ متعدد شہروں اور علاقوں کے خطبا و ائمہ مساجد سے ملاقات رہی اور مختلف موضوعات پر تبادلہ خیال بھی ہوا، اس مختصر تحریر میں سب کا ذکر مشکل ہے، اللہ پاک سب کی خدمات قبول کرے اور حسنِ مزید کی توفیق عطا فرمائے! ●●

اللہ کی عبادت اور ملحد کا ذہن

مفتی محمد جابر خاں مصباحی

اعتراض کرنے والے کے ذہن میں دو بنیادی الجھنیں ہوتی ہیں، وہ انسان کو جانور یا اس سے بھی کمتر سطح پر رکھ کر سوچتا ہے اور وہ رب العالمین کو انسان کی سطح پر رکھ کر سوچتا ہے اسی لیے وہ درست نتیجے تک نہیں پہنچ پاتا

خدا کیوں چاہتا ہے کہ ہم اس کی عبادت کریں۔؟

خدا ہم سے کیوں اپنی تعریف کروانا چاہتا ہے۔؟

خدا کیوں چاہتا ہے کہ ہم اس کی بڑائی کرتے رہیں۔؟

ہم خدا کی عبادت کریں تو خدا کو کیا فائدہ، اور اگر کوئی فائدہ ہے تو خدا ہمارا محتاج ہوا۔

خدا کا ہر حکم اس کی ذات پر مرکوز کیوں ہے۔؟

آپ کو اس طرح کے بہت سارے سوالات ملیں گے جو ملحدوں کی طرف سے کیے جاتے ہیں۔ اس قسم کے سوالات کے دو پہلو ہیں۔ ایک اس کا اخلاقی پہلو ہے۔ تعریف، عبادت اور بڑائی کو اپنی ذات میں مرکوز کرنا اخلاقی اعتبار سے اچھا نہیں سمجھا جاتا۔ دوسرا یہ تجسس ہے کہ خدا ہم سے یہ سب کچھ کیوں کروانا چاہتا ہے۔ کیا اس سے خدا کو کوئی فائدہ ہے؟ اور اگر ہے تو پھر خدا ہمارا محتاج ٹھہرتا ہے اور اگر فائدہ نہیں ہے تو یہ سب کچھ بے کار ہے۔

انسان کے لیے اپنی بڑائی، تعریف، ستائش اور پرستاری چاہنا ناپسندیدہ سمجھا جاتا ہے۔ اس کی کئی وجوہات ہیں۔

(۱) انسان کے اندر پائی جانے والی خوبیاں مستقل اور لازوال نہیں ہیں۔

(۲) انسان اپنی خوبیوں پر نظر رکھنے کی وجہ سے دوسرے کی خوبیوں کو دیکھ نہیں پاتا۔

(۳) اپنی بڑائی کے زعم میں دوسروں پر زیادتی کر کے ان کی حق تلفی کرتا ہے۔

(۴) انسان کے اندر پائے جانے والی خوبیاں اس کی اپنی نہیں ہوتیں۔ اس کی ترویج میں اس کا خاندان اور معاشرے کا بھی حصہ ہوتا ہے۔ اور چونکہ انسان کو فرد اور معاشرے کی حیثیت سے خدا نے پیدا کیا ہے اس لیے ان خوبیوں کا اصل خالق خدا ہے۔

(۵) انسان میں خوبیوں کے ساتھ کمزوریاں بھی ہوتی ہیں اور جب وہ صرف اپنی خوبیوں پر نظر رکھتا ہے تو اس کی کمزوریاں اس کے نظروں میں نہیں رہتیں جس کی وجہ سے وہ خود فریبی کا شکار رہتا ہے۔

اب غور کر کے بتائیں کہ خدا جب اپنی تکبیر کرواتا ہے، اپنی تعریف کا حکم دیتا ہے اور اپنی عبادت کرواتا ہے تو اوپر بیان کی ہوئی کون سی وجہ خدا پر بھی صادق آتی ہے؟

ظاہر ہے کہ خدا علیم و خبیر ہے اور تمام مخلوقات کا خالق۔ ہر قابل تعریف چیز کا خالق خدا ہے۔ تو پھر خدا ہی تعریف کا حقیقی مستحق ہوا۔ خدا کے ناموں میں سے ایک المتکبر ہے۔ تکبر مخلوق کے لیے بالکل سزاوار نہیں، لیکن یہ حق ہے کہ خدا سب سے بڑا ہے اور حق ہے کہ ہم خالق کائنات کی بڑائی بیان کریں۔ انسانوں کے اندر خود ستائشی اور تکبر کے برے ہونے کے احساس کی بنیاد یہی ہے کہ ہم اسے خدا کا حق سمجھتے ہیں اور اس لیے جب کوئی انسان اس طرح کا طرز عمل اختیار کرتا ہے تو یہ کہا جاتا ہے کہ یہ خدا بننے کی کوشش کر رہا ہے۔ اب اسی چیز کی بنیاد پر خدا کی تعریف، ستائش اور تکبیر پر اعتراض کرنا خود ایک بہت بڑا تضاد ہے۔ جب خدا خود خدا ہے تو وہی خدا ہوا۔

ایک بھائی نے کہا کہ ایک روایت کے مطابق بندہ جب خدا سے دعا کرتا ہے تو خدا خوش ہوتا ہے۔ معلوم ہوا خدا ایک متکبر بادشاہ کی طرح ہے کہ جب لوگ اس کے سامنے بھکاریوں کی طرح گڑگڑائیں تو بادشاہ خوش ہوتا ہے۔ عرض کی کہ اگر معاملہ اسی نوعیت کا ہے تو یہ خدا ہی کو شیوہ دیتا ہے کیونکہ کبر اس کو زیب دیتا ہے، بندے کی بھلا کیا اوقات کہ اپنے جیسے دوسرے بندوں سے بھیک منگوا کر خوش ہو؟ پس جو چیز بندوں کے لیے معیوب ہے، لازم نہیں خدا کے لیے بھی معیوب ہو۔ دوسری بات یہ کہ خدا سے مانگنے پر خدا کے خوش ہونے میں محبت کا پہلو بھی شامل ہے۔ میری بیگم جب مجھ سے کچھ فرمائش کرتی ہے تو واللہ! مجھے اس کی یہ ادا سب سے زیادہ بھلی معلوم ہوتی ہے۔ کسی کو اپنا سمجھ کر اس سے مانگنے میں محبت کا جو اظہار اور لطف ہے اس سے صرف

پرنسپل دارالعلوم اشاعت الحق ہلدوانی، نینی تال۔

محب ہی واقف ہوسکتا ہے۔ ایک اور روایت کے مطابق خدا اپنے بندوں سے ایک ماں سے بھی زیادہ محبت کرتا ہے۔

اب آتے ہیں اس پہلو پر کہ خدا کو اس سے کیا ملتا ہے۔ ایک بہت ہی اصولی بات ذہن میں رکھنا چاہیے، ہم خدا کو اس کی صفات سے پہچانتے ہیں۔ خدا کی معرفت اس کے صفات کی معرفت ہے۔ کسی کی صفت کے بارے میں یہ پوچھنا کہ وہ ایسا کیوں ہے ایک غیر منطقی بات ہے۔ خدا نے جس طرح سے اپنا تعارف کرایا وہ ایک حتمی، بدیہی اور ابدی حقیقت ہے۔ اس کے لیے ''کیوں'' کوئی معنی نہیں رکھتا۔ خدا کا تعارف ہی یہ ہے کہ وہ ہر چیز کا خالق ہے، اپنی پوری مخلوقات کا مالک ہے، ہر ایک سے بزرگ تر ہے اور اسی لیے تمام تعریفوں کا مستحق ہے۔ جب کوئی عدد ''دو'' کا تعارف اس طرح سے کراتا ہے کہ جب ایک عدد میں ایک اور کا اضافہ ہوجائے تو اسے دو کہتے ہیں تو اس کے لیے 'کیوں' کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ لغوی اعتبار سے دو کا تعارف یہی چیز ہے۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی پوچھے کہ خدا کیوں ہے۔ خدا ہے یا نہیں، اس پر تو منطقی بحث ہوسکتی ہے، خدا کیسا ہے، اس پر مذہبی بحث ہوسکتی ہے۔ خدا کیوں ہے، یہ کوئی بحث کا نکتہ نہیں ہے۔ اور اگر کوئی مصر ہے کہ اس پر بحث ہونی ہی چاہیے تو جو چاہے کرے لیکن اس کا جواب نہ مذہب کے ذمہ ہے اور نہ منطق کے۔ اسی طرح سے یہ سوال پوچھنا کہ خدا ایسا کیوں ہے اور ویسا کیوں نہیں ہے ایسے ہی سوال کے ضمن میں آتا ہے۔ اس طرح کا سوال پوچھنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی پوچھے، خدا بے رحم کیوں نہیں ہے؟ خدا سچ کو کیوں پسند کرتا ہے جھوٹ کو کیوں پسند نہیں کرتا، خدا ظلم کے خلاف کیوں ہے؟ خدا خالق کیوں ہے؟

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی صفات کے لیے ''کیوں'' پوچھنا ایسا ہی ہے جیسے خدا کے وجود کے لیے ''کیوں'' کا پوچھنا۔ اس سوال کا جواب ہمارے پاس نہیں ہے اور اس سوال کی نوعیت ہی ایسی ہے کہ اس کا جواب ہو ہی نہیں سکتا۔ بالکل اسی طرح جیسے عدد ''دو'' کے تعارف کے لیے 'کیوں' نہیں ہوسکتا۔

خدا کی ایک صفت معبود ہے۔ خدا کا حمید ہونا، خدا کا المتکبر ہونا، خدا کا البر ہونا اس کی صفات ہیں۔ اس کے لیے ''کیوں'' نہیں ہوتا۔ صفات اظہار چاہتی ہیں۔ جب خدا نے کچھ بھی نہیں بنایا تھا تو بھی خدا 'خالق' تھا لیکن اس نے جب پیدا کیا تو اس نے اپنی اس صفت کا اظہار کیا۔ جب کوئی خدا کی عبادت نہیں کر رہا تھا تو اپنی صفت کے اعتبار سے وہ الٰہ تھا لیکن جب اس کی مخلوق نے اس کی عبادت کی تو صرف اس کی عبادت کا اظہار ہوا۔

اس پر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا خدا اپنی صفات کے اظہار کے لیے ہمارا محتاج ہے؟ جواب یہ ہے کہ ہم تو تھے ہی نہیں اور خدا نے ہمیں اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا اور عبادت کرنے کا شعور، صلاحیت اور وقت بھی سب کچھ خدا نے دی، تو جب ہمارا کچھ ہے ہی نہیں اور سب کچھ خدا کا ہی ہے تو یہاں پر خدا کی محتاجی کا سوال پیدا ہی کیسے ہوتا ہے؟

خدا نے پوری کائنات بنائی اور کائنات کا ذرہ ذرہ خدا کے حکم سے چل رہا ہے۔ تو کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ خدا اپنی حاکمیت کے لیے کائنات کا محتاج ہے؟ حالانکہ یہ پوری کائنات اپنے وجود کے لیے خدا کی محتاج ہے۔ اس طرح کا سوال پوچھنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی یہ کہے کہ، چونکہ خدا نے اپنی صفت خلاقیت کے اظہار کے لیے کائنات، فرشتے، انسان، اور دوسری مخلوقات کو پیدا کیا اس لیے خدا اپنی صفت خلاقیت کے اظہار کے لیے اپنی مخلوق کا محتاج ہے۔

خدا کے لیے انسانی مثالیں دینا مشکل ہے۔ پھر بھی ایک آسان سی مثال دیتا ہوں۔ ایک پینٹر اپنی مصوری کے ذریعے اپنی تخلیقی صلاحیت کا اظہار کرتا ہے۔ کیا ہم اس بنا پر کہہ سکتے ہیں کہ پینٹر اپنی صلاحیت کے لیے اس پینٹنگ کا محتاج ہے؟ اس سادہ سی مثال سے کوئی یہ نتیجہ اخذ نہ کرے کہ پینٹنگ کی صلاحیت اور خدا کی صفت ایک ہی قسم کی چیز ہے۔ مقصود صرف محتاجی کی وضاحت کرنا ہے۔ مصوری کی صلاحیت ایک مصور کی اپنی نہیں ہوتی اور نہ ہی وہ خدا کی صفت کی طرح لازوال ہوتی ہے۔ پھر بھی ہم مصور کو تصویر کا محتاج نہیں جانتے۔ اسی طرح اگر خدا اپنی صفت خلاقیت کے اظہار کے لیے مخلوق پیدا کرتا ہے تو وہ اپنی مخلوق کا محتاج تو نہ ہوا بلکہ مخلوق اپنے وجود میں آنے کے لیے اس کی محتاج ہوئی۔ بالکل اسی طرح اگر خدا اپنے بندوں کو یہ حکم دیتا ہے کہ اپنے شعور کو اختیار کرتے ہوئے اس کی عبادت کریں اور اگر نہ کرنا چاہیں تو نہ بھی کریں تو خدا کیسے اپنی مخلوق کا محتاج ہوا؟

اللہ نے انسان کو سوچنے کی صلاحیت دی اور اس بات کا اختیار دیا کہ وہ چاہے تو خدا کی عبادت کرے اور چاہے تو نہ کرے۔ اب اس اختیار کی بنا پر انسان کیسی کیسی اڑانیں بھرتا ہے اور وہ بھی اسی خدا کی عطا کی ہوئی صلاحیت کو استعمال کر کے؟

أَوَلَمْ يَرَ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن نُّطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ

کیا انسان دیکھتا نہیں ہے کہ ہم نے اسے نطفے سے پیدا کیا اور پھر وہ صریح جھگڑالو بن کر کھڑا ہو گیا؟

سوال یہ بھی کیا جاتا ہے کہ اگر ہم یہ کہیں کہ اللہ عز وجل نیکیوں سے خوش ہوتا ہے اور گناہوں سے ناراض۔ دعا سے آمادہ بر عطا ہوتا ہے۔ فلاں فلاں کام سے راضی ہوتا ہے۔ تو کیا اس کا یہ مطلب نہ بن جائے گا کہ مخلوق خدا عز وجل پر اثر انداز ہوتی ہے۔؟

اس کا جواب یہ ہے کہ چیزیں خدا سے متعلق ہو کر مفہوم پاتی ہیں، مفہوم دیتی نہیں۔ خدا کی ذات فعال ہے، منفعل نہیں۔ ہماری زبان میں اس طرح کے اظہار یے استعاراتی ہیں حقیقی نہیں تا کہ اعمال کو مفہوم مل سکے

تفصیل یہ کہ اثر انداز کوئی چیز تب ہوتی جب کوئی کمی ہو، علم کی سطح پر یا وجود کی سطح پر، اور خدا ہر نقص سے پاک ہے کامل ہے مکمل ہے۔ علم اور وجود کی کوئی حیثیت اس پر اس لیے اثر انداز نہیں ہوتی۔ ہم اس طرح کے الفاظ اور جملے اس لیے استعمال کرتے ہیں کہ ہمارا خدا سے زندہ تعلق ہے اور ہم ناقص ہیں۔ ہم پر چیزیں اثر انداز ہوتی اس لیے ہیں کہ ہمارا علم اور وجود منفعل ہے اور وہ فعال ہے، اسے اس سے فرق نہیں پڑتا۔ علمی طور پر آسان مثال یہ ہے کہ اگر آپ کے علم میں کوئی چیز نہیں تو معلوم ہونے پر حیرانی ہوگی اور اس طرح وہ اثر انداز ہوگی لیکن اگر پہلے سے علم ہے تو اثر نہیں ہوگا۔ اور وجودی اور حقیقی طور پر خدا اکبر ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ ہمارے اللہ اکبر کہنے سے خدا بڑا ہو جاتا ہے یا نہ کہنے سے چھوٹا ہو جاتا ہے۔ ہمارے کہنے نہ کہنے سے اس کی بڑائی پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اگر مان بھی لیا جائے کہ خدا ہے تو کیا واقعی وہ انہی خصلتوں کا مالک ہوگا جو ہمیں مذہب بتاتے ہیں؟ مثال کے طور پہ کیا اتنی بڑی کائنات کے بنانے والے کو ذرا بھی فکر ہوگی کہ اربوں کھربوں ستاروں میں سے اک نقطے کی حیثیت جتنے سیارے کے چھوٹے سے شہر کی چھوٹی سی گلی میں رہنے والا اک معمولی انسان کوئی چیز کھانے سے پہلے اس کا نام لیتا ہے کہ نہیں؟ وہ اس کے نام کی تسبیح کرتا ہے کہ نہیں؟ دن میں پانچ وقت اس کے لیے جھکتا ہے کہ نہیں؟ اور اگر یہ سب نہیں کرتا تو اس کے لیے پہلے سے تیار کردہ دوزخ کا عذاب انتظار کر رہا ہے؟ اگر خدا ہے بھی تو کم از کم وہ نہیں ہے جس کی عبادت کے لیے کہا جاتا ہے۔ وہ صحیح معنوں میں بے پرواہ ہوگا۔

اعتراض کا جواب: انسان باشعور ہے اور یہ خدا ہی ہے جس نے انسان کو باشعور بنایا۔ خالق کا حق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے۔ خالق نے مخلوق کو جن خصوصیات کے ساتھ بنایا، چاہیے کہ ان خصوصیات کے ساتھ وہ اپنے خالق کی عبادت کرے۔ اس کائنات میں ان گنت کرے پائے جاتے ہیں اور وہ خدا کے طے کردہ قانون کے مطابق سفر کر رہے ہیں لیکن ان کے اندر اس قسم کا شعور نہیں ہے جیسا کہ اللہ نے انسانوں کے اندر بنایا۔ اسی کرے یعنی زمین پر لاتعداد جانور پائے جاتے ہیں۔ حیاتیاتی اعتبار سے یہ جانور ہیں تو انسانوں سے کافی ملتے جلتے لیکن ان کے اندر پایا جانے والا شعور انسانوں کے مقابلے میں بہت ہی کم ہے۔ انسانوں کے اندر پایا جانے والا شعور اور اس کی صلاحیتیں اس کا تقاضا کرتی ہیں کہ وہ اپنے خالق کو اس پورے شعور کے ساتھ محسوس کرے اور اس کے آگے سر تسلیم خم کرے۔ جس خالق نے انسانوں کو یہ شعور عطا کیا اس کا بھی تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنے شعور کے ساتھ اس کی عبادت کرے، نہ کہ کسی بے جان مادے کی طرح سے یا کسی جانور کی طرح۔ یہ شعور ہی اس کی جزا و سزا کہ اصل بنیاد ہے۔ جب کوئی ملحد یہ کہتا ہے کہ خالق کائنات کو اس بات کی کیا پروا کہ میں اس کا نام جپتا ہوں یا نہیں، اس کے سامنے جھکتا ہوں یا نہیں تو دراصل وہ اپنے آپ کو بے جان مادے یا جانور کی سطح پر رکھ کر سوچتا ہے (یہ شعور کا بیان ہے کہ ایسا سوچنے والا خود کو کس کے لیول پر رکھ کے سوچ رہا ہے۔ کسی کی ذاتی تحقیر مقصود نہیں)۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ خالق کا انکار دراصل ایک انسان کو کس سطح پر لے آتا ہے۔ اللہ تعالی نے منکرین کے بارے میں یہ جو کہا ہے کہ لَهُمْ قُلُوبٌ لاَّ يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لاَّ يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لاَّ يَسْمَعُونَ بِهَا أُوْلَـئِكَ كَالأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُوْلَـئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ (جن

کے دل ایسے ہیں جن سے نہیں سمجھتے اور جن کی آنکھیں ایسی ہیں جن سے نہیں دیکھتے اور جن کے کان ایسے ہیں جن سے نہیں سنتے ۔ یہ لوگ جو پایوں کی طرح ہیں بلکہ یہ لوگ زیادہ بے راہ ہیں ۔ یہ لوگ غافل ہیں ۔سورہ اعراف : آیت ۱۷۹)

اور دوسری جگہ یہ کہا ہے : وَلَا تَكُونُواْ كَٱلَّذِينَ نَسُواْ ٱللَّهَ فَأَنسَىٰهُمۡ أَنفُسَهُمۡ أُوْلَـٰٓئِكَ هُمُ الفَـٰسِقُونَ (اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جنہوں نے اللہ (کے احکام) سے بے پروائی کی سو اللہ تعالیٰ نے خود ان کی جان سے ان کو بے پروا بنا دیا یہی لوگ نافرمان ہیں ۔سورہ حشر : آیت ۱۹)

لازمی پر خدا کا انکار کرنے والے اپنی حقیقت اور اپنے شعور کا انکار کر رہا ہوتا ہے ۔ یہ سوال ایسے ہی ذہن کی پیداوار ہے ۔ انسان جب خدا کا انکار کرتا ہے تو دراصل وہ اپنے شعور کا انکار کر رہا ہوتا ہے ۔

(۱) جب انسان کسی چیز کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے تو دوسری چیزوں کی طرف سے اس کی توجہ کم ہو جاتی ہے ۔کوئی بندہ جب اپنی ڈیوٹی پر ہوتا ہے تو وہ اتنی شدت کے ساتھ اپنے گھر والوں کی طرف توجہ نہیں دے سکتا اور اگر وہ بہت ہی شدت کے ساتھ گھر والوں کی طرف توجہ دے گا تو پھر اپنی ڈیوٹی ٹھیک سے انجام نہیں دے پائے گا ۔

(۲) جب انسان کسی چیز کی گہرائی اور تفصیلات میں چلا جاتا ہے تو اسی چیز کی مجموعی کیفیت سے اس کی توجہ ہٹ جاتی ہے مثلاً ایک شخص ایک گھر کا معائنہ کر رہا ہے ۔ اگر وہ گھر کی تعمیر میں استعمال کیے گئے مٹیریل ، رنگ ، ٹائلز وغیرہ پر بہت زیادہ توجہ دے گا تو گھر کے مجموعی سانچے اور شکل کی طرف سے وقتی طور پر اس کی توجہ ہٹ جاتی ہے ۔

(۳) جب انسان کا کسی چیز سے سروکار ہو جاتا ہے ، اس سے اس کا جذباتی تعلق بن جاتا ہے تو پھر وہ اس کی کمزوری بن جاتی ہے ۔ اور اگر اس تعلق میں کوئی رخنہ پیدا ہو جاتا ہے تو پھر انسان کا سکون اور چین چھن جاتا ہے مثلاً اولاد اور بیوی سے تعلق میں تلخیاں کسی انسان کی نیندیں حرام کرنے کے لیے کافی ہیں ۔

اوپر بیان کردہ چیزیں انسان کی کمزوریاں ہیں ۔ اللہ رب العالمین تمام کمزوریوں سے پاک ہے ۔ اللہ تعالیٰ کلام پاک میں اپنا تعارف لطیف اور خبیر جیسے نام سے کراتا ہے ۔ لطیف کا مطلب باریک بین ہے اور خبیر کا مطلب ہر چیز کی خبر رکھنے والا ۔ اللہ پاک اپنی تمام مخلوقات کو پوری تفصیل کے ساتھ بہ یک وقت اور بغیر کسی کوتاہی کے خبر رکھ سکتا ہے ۔ اللہ کا ایک طرف متوجہ ہونا کسی کی طرف بے توجہی کی قیمت پر نہیں ہوتا ۔ اس دنیا میں پائے جانے والے تمام کروں کو اس کے ایک ایک ذرے کے ساتھ خدا جانتا ہے اور خدا کا یہ سب کچھ جاننا کسی اور معاملے میں اس کی کوتاہی کا سبب نہیں بن سکتا اور نہ ہی اسے اس سے غافل کرتا ہے کہ وہ اپنی باشعور مخلوق کے ساتھ کس طرح کا معاملہ کرے ۔

اللہ غنی ہے یعنی اللہ ہر ضرورت سے بے نیاز ہے ۔ ایک طرف اللہ کو اپنے بندوں سے محبت ہے اور اللہ اپنے بندوں سے ستر ماؤں سے بھی زیادہ محبت کرتا ہے لیکن محبت کی یہ شدت جس طرح انسانوں کی کمزوری ہے اس طرح خدا کی کمزوری نہیں ہے ۔ خدا تمام انسانوں کے ساتھ بالکل ہی ذاتی تعلق رکھ سکتا بغیر اس کے کہ وہ تعلق اس کی کمزوری بنے ۔

اوپر بیان کیے گئے نکات سے واضح ہو جاتا ہے کہ جب ملحد اس طرح کے اعتراضات کرتا ہے تو وہ خدا کے ساتھ انسانوں کی کمزوریوں کو منسوب کر کے سوچتا ہے ۔ ایک بالکل عام اور سادہ ذہن آدمی بھی اس بات کو اچھی طرح سے سمجھتا ہے کہ رب العالمین تمام کمزوریوں اور عیبوں سے پاک ہے اور یہ اس کے رب العالمین ہونے کا لازمی تقاضا ہے ۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس قسم کے اعتراض کرنے والے کے ذہن میں دو بنیادی الجھنیں ہیں ۔ وہ انسان کو جانور یا اس سے بھی کمتر سطح پر رکھ کر سوچتا ہے اور وہ رب العالمین کو انسان کی سطح پر رکھ کر سوچتا ہے ۔

●●

محمد شعیب بزمی

کتب احادیث کی اقسام

جن کا جاننا علوم اسلامیہ کے ہر طالب علم کے لیے نہایت ضروری ہے کہ اس کے بغیر احادیث کا باہمی رابطہ اور فرق وامتیاز نہیں کیا جاسکتا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرامین و اعمال کو مختلف اوقات میں کثیر ائمہ کرام نے اپنے اپنے انداز سے جمع فرمایا۔ ان مختلف انداز اور اسالیب کی بنا پر کتب حدیث کی متعدد اقسام منظر عام پر آئیں۔ ذیل میں کتب حدیث کی اقسام اور ان اقسام کی معروف ومتداول کتب کے نام درج کیے جارہے ہیں۔ اِن کو بیان کرنے کا مقصود یہ ہے کہ جب ہم حدیث کی کسی بھی کتاب کا مطالعہ کریں تو ہمیں معلوم ہو کہ اس کتاب کا اسلوب کیا ہے اور اس کو مرتب کرتے ہوئے ائمہ حدیث نے کس بات کو پیش نظر رکھا۔ نیز اس سے یہ امر بھی واضح ہوتا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث مبارکہ کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ رب تعالیٰ نے اپنے ذمہ کرم پر لے رکھی ہے جس طرح قرآن کریم کی حفاظت کی ذمہ داری اِنَّا نَحنُ نَزَّلنَا الذِّکرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْن کے مطابق اپنے ذمہ کرم پر لے رکھی ہے۔

ائمہ حدیث نے درج ذیل اسالیب کے تحت درج ذیل کتب حدیث مرتب کیں:

(۱) الاجزاء
(۲) المؤطات والمصنفات
(۳) المسانید
(۴) الصحاح
(۵) الجوامع
(۶) السنن
(۷) کتب السنۃ
(۸) المستدرکات
(۹) المستخرجات
(۱۰) کتب الجمع
(۱۱) کتب الاطراف
(۱۲) کتب الزوائد
(۱۳) کتب الاحکام
(۱۴) کتب الاذکار والادعیۃ
(۱۵) کتب الترغیب والترہیب
(۱۶) کتب الزہد
(۱۷) کتب احادیث المشتہرۃ
(۱۸) کتب الاحادیث القدسیۃ
(۱۹) کتب احادیث المسلسلۃ
(۲۰) کتب احادیث المتواترۃ
(۲۱) کتب المراسیل
(۲۲) کتب دلائل النبوۃ
(۲۳) رود اسباب الحدیث
(۲۴) کتب الناسخ والمنسوخ
(۲۵) کتب اختلاف الحدیث
(۲۶) کتب تخریج الحدیث
(۲۷) کتب العلل
(۲۸) کتب احادیث الموضوعۃ
(۲۹) کتب غریب الحدیث
(۳۰) کتب اعراب الحدیث
(۳۱) کتب الطب النبوی

(۱) الاجزاء

ایسی کتب جو کسی شخص کی مرویات یا ایک موضوع کی روایات یا ایک حدیث کی تمام اسانید اور متون پر مشتمل ہوں۔ درج ذیل ''اجزاء'' نہایت معروف ومتداول ہیں:

(۱) جزء حدیث سفیان بن عیینۃ (۱۹۸ ہجری)
(۲) جزء الحسن بن العرفۃ العبدی (۲۵۷ ہجری)

(۳) جزء محمد بن عاصم الاصبہانی (۲۶۲ ہجری)
(۴) جزء احمد بن عصام (۲۷۲ ہجری)
(۵) جزءفی طرق حدیث من کذب علی متعمدا فلیتبوا مقعدہ من النار، ابن حجر العسقلانی (۸۵۲ ہجری)
(۶) جزء فیہ طرق حدیث طلب العلم فریضة علی کل مسلم، امام سیوطی (۹۱۱ ہجری)

(۲) المؤطات والمصنفات:

حدیث کی وہ کتب جو حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رضی اللہ عنہم کے اقوال پر مشتمل ہوتی ہیں مثلاً

(۱) الموطا الامام مالک (۱۷۹ ہجری)
(۲) مصنف امام عبدالرزاق بن ہمام (۲۱۱ ہجری)
(۳) مصنف امام ابوبکر بن ابی شیبہ (۲۳۵ ہجری)

(۳) المسانید:

حدیث کی وہ کتابیں جن میں مذکور احادیث، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کی جاتی ہیں یعنی یہ مرفوع احادیث پر مشتمل کتابیں ہوتی ہیں جیسے

(۱) مسند عبداللہ بن المبارک (۱۸۱ ہجری)
(۲) مسند ابوداؤد الطیالسی (۲۰۴ ہجری)
(۳) مسند ابویعلی الموصلی (۲۰۷ ہجری)
(۴) مسند عبداللہ بن الزبیر الحمیدی (۲۱۹ ہجری)
(۵) مسند خلیفة بن خیاط (۲۴۰ ہجری)
(۶) مسند الامام احمد بن حنبل (۲۴۰ ہجری)
(۷) مسند ابوبکر احمد بن البزار (۲۹۲ ہجری)

(۴) الصحاح:

حدیث کی وہ کتابیں جو صحیح احادیث نبوی پر مشتمل ہوں:

(۱) صحیح الامام البخاری (۲۵۶ ہجری)
(۲) صحیح الامام مسلم (۲۶۱ ہجری)
(۳) صحیح الامام ابن خزیمہ (۳۱۱ ہجری)
(۴) صحیح الامام سعید بن عثمان (۳۱۳ ہجری)
(۵) صحیح الامام ابن حبان (۳۴۵ ہجری)

(۵) الجوامع:

حدیث کی وہ کتابیں جن کی ترتیب فقہی ابواب پر کی جاتی ہیں۔ یہ کتب العقائد، الاحکام، الرقائق، آداب الاکل والشراب، السفر والمقام، مایتعلق بالتفسیر، التاریخ، والسیر، الفتن، المناقب والمثالب پر مشتمل ہوتی ہیں۔ مثلاً

(۱) الجامع صحیح الامام البخاری (۲۵۶ ہجری)
(۲) الجامع الامام ابی عیسی الترمذی (۲۷۹ ہجری)

(۶) السنن:

حدیث کی ان کتابوں کی ترتیب بھی فقہی ابواب پر کی جاتی ہے مگر ان میں الایمان، الطہارۃ، الصلاۃ، الزکاۃ کے ابواب شامل ہوتے ہیں۔ جیسے

(۱) سنن الدارمی (۲۵۵ ہجری)
(۲) سنن ابن ماجہ (۲۷۳ ہجری)
(۳) سنن ابی داؤد (۲۸۵ ہجری)
(۴) سنن النسائی (۳۰۳ ہجری)
(۵) سنن الکبریٰ الامام البیہقی (۴۵۸ ہجری)

(۷) کتب السنة:

حدیث کی وہ کتابیں جن میں اتباع نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بدعات سے اجتناب کی احادیث ہوں۔ مثلاً

(۱) الرد علی الجہمیة الامام الدارمی (۲۸۰ ہجری)
(۲) السنة ابن ابی عاصم (۲۸۷ ہجری)
(۳) کتاب السنة عبداللہ بن احمد الشیبانی (۲۹۰ ہجری)

(۸) المستدرکات:

حدیث کی ایسی کتب جن میں کسی کتاب کی احادیث پر استدراک کیا جاتا ہے۔ مثلاً

(۱) الالزامات الحافظ الدارقطنی (۳۸۵ ہجری)
(۲) المستدرک الامام الحاکم (۴۰۵ ہجری)

(۹) المستخرجات:

حدیث کی ایسی کتاب جس کا مصنف کسی کتاب کی احادیث اپنی سند سے بیان کرتا ہے۔ مثلاً

(۱) المستخرج للحافظ ابی علی الحسن الماسرجسی (۳۶۵ ہجری)

استخرج علی الصحیحین۔
(۲)المستخرج للحافظ ابی بکر احمد بن ابراہیم الاسماعیلی (۳۷۱ ہجری)استخرج علی الصحیحین۔
(۳)المستخرج للحافظ ابی عوانة یعقوب بن اسحاق النیسابوری (۳۱۶ ہجری)استخرج علی صحیح مسلم۔
(۴)المستخرج للحافظ ابی حامد احمد بن محمد الہروی (۳۵۵ ہجری)استخرج علی صحیح مسلم۔
(۱۰) کتب الجمع:
حدیث کی ایسی کتابیں جن میں حدیث کی کچھ کتب کو جمع کیا جاتا ہے۔ جیسے
(۱) جامع الاصول، الامام ابن الاثیر (۶۰۶ ہجری)
اس کتاب میں صحیحین، مؤطا امام مالک، سنن ابی داؤد، سنن النسائی، جامع الترمذی کی احادیث کی سندوں کو حذف کر کے متون کو فقہی ابواب پر جمع کیا گیا ہے اور ابواب کی ترتیب حروف تہجی پر قائم کی گئی ہے۔
(۲) جامع المسانید والسنن حافظ ابن کثیر (۷۷۴ ہجری)۔
اس کتاب میں اصول الستہ، مسند احمد، مسند ابی یعلی، مسند البزار، المعجم الکبیر وغیرہ کی احادیث جمع کی گئی ہیں۔
(۱۱) کتب الاطراف:
یہ حدیث نبوی کی ایسی کتب ہیں جن میں حدیث کا کچھ حصہ بیان کیا جاتا ہے، جس کے ذریعے باقی حدیث کا حصہ معلوم ہوجائے کہ یہ حدیث کس کتاب میں موجود ہے۔ مثلاً
(۱) کتاب تحفۃ الاشراف بمعرفۃ الاطراف الامام الحافظ جمال الدین ابی الحجاج یوسف بن الزکی عبدالرحمن بن یوسف المزی (۷۴۲ ہجری)۔
یہ کتاب اصول ستہ اور ان کے مصنفین کی مزید کچھ کتب کی اطراف پر مشتمل ہے۔
(۲)الاطراف باوہام الاطراف، حافظ ولی الدین احمد بن عبدالرحیم العراقی (۸۲۶ ہجری)
(۳)النکت الظراف علی الاطراف حافظ ابن حجر (۸۵۲ ہجری)
(۳)اطراف المسند المعتلی باطراف المسند الحنبلی، حافظ ابن حجر (۸۵۲ ہجری)
(۴)اتحاف المہرة بالفوائد المبتکرة من اطراف العشرة حافظ ابن الحجر (۸۵۲ ہجری)
ابن حجر کی یہ کتاب درج ذیل کتب کے اطراف پر مشتمل ہے:
(۱)المؤطا لامام مالک
(۲) مسند الشافعی
(۳) مسند احمد
(۴) مسند الدارمی
(۵) صحیح ابن خزیمہ
(۶) منتقی ابن جارود
(۷) صحیح ابن حبان
(۸) مستدرک الحاکم
(۹) مستخرج ابی عوانہ
(۱۰) شرح معانی الاثار لطحاوی
(۱۱) سنن الدارقطنی
(۱۲) کتب الزوائد:
حدیث نبوی کی ایسی کتب جن میں کچھ کتب حدیث کی احادیث پر کسی کتاب یا کتب سے زائد احادیث جمع کی جاتی ہیں۔ مثلاً
(۱) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد: حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی (۸۰۷ ہجری)
اس کتاب میں امام ہیثمی نے پہلے زوائد پر پانچ کتب تحریر کیں۔ پہلی کتاب میں مسند احمد سے ایسی احادیث جمع کی جو اصول ستہ میں موجود نہیں۔ اس طرح مسند بزار، مسند ابی یعلی، معجم الکبیر اور معجم الصغیر اور اوسط پر کام مکمل کیا پھر ان چھ کتب کے زوائد کو درج ذیل کتب میں آپس میں جمع کیا:
(۱) غایۃ المقصد فی زوائد الامام احمد (مسند احمد) ۲
(۲) البحر الزخار فی زوائد البزار (مسند البزار)
(۳) المقصد الاعلی فی زوائد ابی یعلی (مسند ابی یعلی)
(۴) البدر المنیر فی زوائد المعجم الکبیر (لطبرانی)
(۵) مجمع البحرین فی زوائد المعجمین (الصغیر والاوسط لطبرانی)
(۲) اتحاف الخیرة المہرة بزوائد المسانید العشرة حافظ شہاب

الدین احمد بن ابی بکر البوصیری (۸۴۰ ہجری)

اس کتاب میں دس مسانید کی اصول ستہ پر زائد احادیث جمع کی ہیں:

(۱) مسند ابی داؤد الطیالسی

(۲) مسند مسدد

(۳) مسند الحمیدی

(۴) مسند ابن عمر العدنی

(۵) مسند اسحاق بن راہویہ

(۶) مسند ابی بکر بن ابی شیبہ

(۷) مسند احمد بن منیع

(۸) مسند عبد بن حمید

(۹) مسند الحارث بن محمد بن ابی اسامہ

(۱۰) المسند الکبیر لابی یعلی

(۳) مصباح الزجاجۃ فی زوائد ابن ماجۃ، حافظ البوصیری (۸۴۰ ہجری)

اس کتاب میں سنن ابن ماجہ کی صحیح البخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، جامع الترمذی، سنن النسائی پر زائد احادیث جمع کی ہیں۔

(۴) المطالب العالیۃ بزوائد المسانید الثمانیۃ حافظ ابن حجر (۸۵۲ ہجری)

اس کتاب میں درج ذیل کتب کی اصول ستہ پر زائد احادیث جمع کیں:

(۱) مسند ابی عمر العدنی

(۲) مسند الحمیدی

(۳) مسند مسدد

(۴) مسند الطیالسی

(۵) مسند ابن منیع

(۶) مسند ابن ابی شیبہ

(۷) مسند عبد بن حمید

(۸) مسند الحارث

(۱۳) کتب الاحکام:

یہ حدیث نبوی کی ایسی کتب ہیں جو صرف احکام کی احادیث پر مشتمل ہیں۔ مثلاً

(۱) المنتقی من السنن المسندۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(۲) العمدۃ فی الاحکام فی معالم الحلال والحرام حافظ عبد الغنی بن عبد الرحمن المقدسی (۶۰۰ ہجری)

(۳) الالمام باحادیث الاحکام حافظ تقی الدین بن دقیق العید (۷۰۲ ہجری)

(۴) تقریب الاسانید وترتیب المسانید لحافظ زین الدین ابی الفضل عبد الرحیم العراقی (۷۲۵ ہجری)

(۵) بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام لحافظ ابن حجر (۸۵۲ ہجری)

(۱۴) کتب الاذکار والادعیۃ:

حدیث نبوی کی ایسی کتب جو صرف ذکر واذکار اور دعاؤں کی احادیث پر مشتمل ہیں۔ مثلاً

(۱) عمل الیوم واللیلۃ لامام النسائی (۳۰۳ ہجری)

(۲) عمل الیوم واللیلۃ احمد بن محمد الدینوری، ابن السنی (۳۶۴ ہجری)

(۳) الاذکار الامام محی الدین ابی زکریا یحی بن شرف النووی (۶۷۶ ہجری)

(۴) وظائف الیوم واللیلۃ حافظ السیوطی (۹۱۱ ہجری)

(۱۵) کتب الترغیب والترہیب:

حدیث نبوی کی ایسی کتب جو صرف ترغیب و ترہیب کی احادیث پر مشتمل ہیں مثلاً

(۱) التوبیخ والتنبیہ، عبد اللہ بن محمد جعفر بن حبان المعروف بابی الشیخ الاصبہانی (۳۶۹ ہجری)

(۲) الترغیب والترہیب، ابوالقاسم، اسماعیل بن محمد بن الفضل القرشی الاصبہانی (۵۳۵ ہجری)

(۳) الترغیب والترہیب حافظ زکی الدین عبد المنعم المنذری (۶۵۶ ہجری)

(۱۶) کتب الزہد:

حدیث نبوی کی ایسی کتب جو دنیا سے بے رغبتی اور طلبِ آخرت کی احادیث پر مشتمل ہوں۔

(۱)الزہدالامام عبداللہ بن المبارک (۱۸۱ہجری)
(۲)الزہدالامام وکیع بن الجراح (۱۹۸ہجری)
(۳)الزہدالامام احمد بن حنبل (۲۴۰ہجری)
(۴)الزہدالکبیرالامام البیہقی (۴۵۸ہجری)

(۱۷) کتب احادیث المشتہرۃ:

حدیث نبوی کی ایسی کتب جوصرف مشہور عام احادیث پر مشتمل ہیں (صحیح،ضعیف،موضوع)
(۱)اللالی المنثورۃ فی الاحادیث المشھورۃ حافظ محمد بن عبداللہ الزرکشی (۷۹۴ہجری)
(۲)المقاصد الحسنۃ فی بیان کثیر من الاحادیث المشتہرۃ علی الالسنۃ حافظ محمد بن عبدالرحمن السخاوی (۹۰۲ہجری)
(۳)الدرالمنثورفی الاحادیث المشتہرۃ للسیوطی (۹۱۱ہجری)
(۴)کشف الخفاء ومزیل الالباس الشیخ اسماعیل محمد بن العجلونی (۱۱۶۲ہجری)

(۱۸) کتب الاحادیث القدسیۃ:

حدیث نبوی کی ایسی کتب جوصرف احادیث قدسیہ پر مشتمل ہیں مثلاً
(۱)الاربعین الالہیۃ لابی الحسن علی بن المفضل المقدسی (۶۱۱ہجری)
(۲)الاتحافات السنیۃ بالاحادیث القدسیۃ لحافظ عبالرؤف المناوی (۱۰۱۳ہجری)

(۱۹) کتب احادیث المسلسلۃ:

حدیث نبوی کی ایسی کتب جومسلسل احادیث پر مشتمل ہیں۔
(۱)العذاب السلسل فی الحدیث المسلسل الامام شمس الدین محمد بن احمد الذہبی (۷۴۸ہجری)
(۲)الجواہر المکلکلۃ فی الاخبار المسلسلۃ السخاوی (۹۰۲ہجری)

(۲۰) کتب احادیث المتواترۃ:

حدیث نبوی کی ایسی کتب جومتواتر احادیث پر مشتمل ہیں جیسے
(۱)ازہار المتناثرۃ فی الاحادیث المتواترۃ السیوطی (۹۱۱ہجری)
(۲)لقط اللالی المتناثرہ فی الاحادیث المتواترۃ، علامہ محمد مرتضی الزبیدی (۱۲۰۵ہجری)
(۳)نظم المتناثرۃ فی الاخبار المتواترۃ الشیخ محمد بن جعفر الکتانی ۱۳۸۲ہجری)

(۲۱) کتب المراسیل:

وہ کتب حدیث جومرسل احادیث پر مشتمل ہیں مثلاً
(۱)المراسیل لابی داؤد السجستانی (۲۸۵ہجری)
(۲)المراسیل حافظ ابی محمد عبدالرحمن بن ابی حاتم محمد بن ادریس الرازی (۳۲۷ہجری)
(۳)جامع التحصیل فی احکام المراسیل حافظ صلاح الدین سعید بن خلیل بن کیکلدی العلائی (۷۶۱ہجری)
(۴)تحفۃ التحصیل فی ذکر المراسیل حافظ ولی الدین احمد بن عبدالرحیم العراقی (۸۲۶ہجری)

(۲۲) کتب دلائل النبوۃ:

ایسی کتب حدیث نبوی جومعجزات نبوی کی احادیث پر مشتمل ہوں:
(۱)دلائل النبوۃ الامام جعفر بن محمد الفریابی (۳۰۱ہجری)
(۲)دلائل النبوۃ حافظ احمد بن عبداللہ المعروف بابی نعیم الاصبہانی (۴۳۰ہجری)
(۳)دلائل النبوۃ ابوبکر احمد بن الحسین البیہقی (۴۵۸ ہجری)

(۲۳) کتب ورود اسباب الحدیث:

حدیث نبوی کی ایسی کتب جن میں احادیث بیان کرنے کے اسباب بیان کیے جاتے ہیں (جیسے قرآن کریم کی آیات کے اسباب نزول)
(۱)سبب ورود الحدیث الامام السیوطی (۹۱۱ہجری)
(۲)البیان والتعریف فی اسباب ورود الحدیث الشریف الشیخ ابراہیم بن محمد (۱۱۱۰ہجری)

(۲۴) کتب الناسخ والمنسوخ:

حدیث نبوی کی ایسی کتب جو احادیث ناسخہ اور منسوخہ پر مشتمل ہیں:
(۱)الناسخ والمنسوخ الامام ابی حفص عمر بن شاہین (۳۸۵ہجری)
(۲)الاعتبار فی بیان الناسخ والمنسوخ من الاثار ابوبکر محمد بن موسی الحازمی ۵۸۴ہجری)

(۲۵) کتب اختلاف الحدیث:

حدیث نبوی کی ایسی کتب جن میں ایسی احادیث بیان کی جاتی ہیں جو ظاہری طور پر متعارض اور متضاد معلوم ہوتی ہیں، ان کتب میں وہ احادیث توافق اور دلائل سے جمع کی جاتی ہے۔

(۱) اختلاف الحدیث الامام ابی عبداللہ محمد بن ادریس الشافعی (۲۰۴ ہجری)

(۲) تاویل مختلف الحدیث الامام الحافظ عبداللہ بن مسلم بن قتیبۃ الدینوری (۲۷۶ ہجری)

(۳) مشکل الاثار الامام ابی جعفر بن محمد الطحاوی (۳۱۱ ہجری)

(۲۶) کتب تخریج الحدیث:

حدیث نبوی کی ایسی کتب جو احادیث کی تخریج (کسی حدیث کی تمام یا زیادہ تر متون اور اسانید کو جمع کر کے اہل علم و نقاد حدیث اس پر حکم صادر کرتے ہیں) پر مشتمل ہوں۔

(۱) نصب الرایۃ لاحادیث الھدایۃ الامام الحافظ جمال الدین عبداللہ بن یوسف الزیلعی (۷۶۲ ہجری)

(۲) المعتبر فی تخریج احادیث المنھاج والمختصر حافظ بدرالدین محمد بن عبداللہ الزرکشی (۷۹۴ ہجری)

(۳) البدر المنیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر حافظ عمر بن علی الانصاری ابن الملقن (۸۰۴ ہجری)

(۳) الکافی الشاف فی تخریج احادیث الکشاف حافظ ابن حجر (۸۵۲ ہجری)

(۴) نتائج الافکار فی تخریج احادیث الاذکار احادیث الاذکار حافظ ابن حجر (۸۵۲ ہجری)

(۵) تخریج احادیث العادلین حافظ السخاوی (۹۰۲ ہجری)

(۶) مناہل الصفاء فی تخریج الشفاء حافظ السیوطی (۹۱۱ ہجری)

(۲۷) کتب العلل:

حدیث کی ایسی کتب جن میں احادیث کی علل بیان کی جاتی ہیں:

(۱) کتاب العلل الحدیث الامام الحافظ عبدالرحمن بن ابی حاتم الرازی (۳۲۷ ہجری)

(۲) العلل الحافظ علی بن عبداللہ المدینی (۲۳۴ ہجری)

(۳) العلل الحافظ ابوالحسن علی بن عمر الدارقطنی (۳۸۵ ہجری)

(۴) العلل المتناہیۃ فی الاحادیث الواہیۃ الامام عبدالرحمن بن علی المعروف بابن الجوزی (۵۹۷ ہجری)

(۲۸) کتب احادیث الموضوعۃ:

ایسی کتب جن میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ایسے اقوال و اعمال درج کیے گئے ہوں جو حقیقتاً حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صادر ہی نہ ہوئے ہوں۔ ان کو ذکر کرنے کا مقصود ان اقوال و اعمال پر بھروسہ و اعتماد نہ کرنے کی طرف توجہ دلانا ہوتا ہے کہ یہ جھوٹی باتیں ہیں، ان پر اعتماد نہ کیا جائے۔

(۱) کتاب معرفۃ التذکرۃ فی الاحادیث الموضوعۃ الامام محمد بن طاہر المقدسی (۵۰۷ ہجری)

(۲) الموضوعات الکبری عبدالرحمن بن علی الجوزی (۵۹۷ ہجری)

(۳) موضوعات الصاغانی الامام الحسن بن محمد الصاغانی (650 ہجری)

(۴) الالی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ السیوطی (۹۱۱ ہجری)

(۵) الاسرار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعات الکبری) العلامۃ الملاعلی القاری (۱۰۱۴ ہجری)

(۶) المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع (الموضوعات الصغری) العلامۃ الملاعلی قاری۔

(۷) الفوائد المجموعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ العلامۃ محمد بن علی الشوکانی (۱۲۵۰ ہجری)

(۲۹) کتب غریب الحدیث:

حدیث کی ایسی کتب جن میں احادیث کے مشکل الفاظ کی وضاحت کی جائے۔

(۱) غریب الحدیث ابوعبید القاسم بن سلام الہروی (۲۲۴ ہجری)

(۲) الفائق فی غریب الحدیث ابوالقاسم جاراللہ محمود بن عمر الزمخشری (۵۳۸ ہجری)

(۴) النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر الامام ابن الاثیر الجزری (۶۰۶ ہجری)

(۵) غریب الحدیث حافظ ابن حجر (۸۵۲ ہجری)

..........بقیہ ص ۵۱ پر

تذکیر وتزکیہ

رہن سہن کا اسلامی طریقہ اور جدید سائنس

حکیم محمد طارق محمود چغتائی

اچھے نام کے اثرات، دعا و تعویذ کا فلسفہ اور سونے و آرام کرنے کے مختلف پہلوؤں پر سائنس کی رہنمائی اور اس پر اسلام کی تصدیق

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ زندگی کے ہر شعبے میں اسلام ہماری راہنمائی کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج چودہ سو سال گزر جانے کے باوجود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات نہ صرف مسلمانوں بلکہ ہر انسانی معاشرے کے لیے مشعل راہ ہیں۔ جدید سائنس بھی ان تعلیمات سے متاثر ہے اور یہ کہنے پر مجبور ہوگئی ہے کہ انسانی وجود کی سالمیت اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے سے ہی ممکن ہے۔ ذیل میں معمولات زندگی کے حوالے سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرامین کے متعلق چند سائنسی اعترافات اور فوائد کا تذکرہ پیش کیا جارہا ہے۔

اچھے نام کے اثرات: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے متعدد فرامین میں بچوں کے اچھے نام رکھنے کی طرف متوجہ کیا۔ ارشاد فرمایا: لوگو! تم قیامت میں اپنے اور باپوں کے نام سے پکارے جاؤ گے پس تم اپنا نام اچھا رکھا کرو۔ (ابوداؤد)

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: جس نام میں عبدیت اور خدا کی تعریف کا ظہور ہوتا ہے وہ نام اللہ کو بہت پیارا ہے۔ (بخاری)

حضرت ابو وہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم پیغمبروں کے نام پر نام رکھا کرو اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ پیارا نام عبداللہ اور عبدالرحمن ہے اور سب سے سچا نام حارث اور ہمام ہے۔ (ابوداؤد، نسائی)

جدید سائنس نے اچھے ناموں کو پسند کیا ہے۔ ان کی پسند دراصل ناموں کے الفاظ اور پھر ان کے اثرات کی وجہ سے ہے۔ پیرا سائیکالوجی کے ماہر پروفیسر پیرل ماسٹر نے اپنی حالیہ تحقیق میں انکشاف کیا ہے کہ نام زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں حتیٰ کہ نام کے الفاظ کا ترجمہ بھی اپنے فوائد اور اثرات بدل دیتا ہے۔ پروفیسر کے مطابق ''میں نے ''رحیم'' اور ''پرویز'' کا موازنہ کیا تو ''رحیم'' سے سبز اور سفید روشنی نکلتی ہوئی نظر آئی اور ''پرویز'' سے سیاہ اور نسواری رنگ کی روشنی مترشح ہورہی تھی۔

یہی کیفیت تعویذ کے فوائد اور اس کے الفاظ کی ہے۔ طاقت دراصل الفاظ میں ہے، چاہے وہ نام کی شکل میں ہو یا وہی نام تعویذ کی شکل میں ہو۔

اعمال، ناموں کو مبارک یا بد بنادیتے ہیں۔ فرعون، نمرود یا یزید کچھ الفاظ کا مجموعہ ہے لیکن ان کی تاریک لہریں سننے والے کے اندر نفرت اور ظلمت پیدا کردیتی ہیں اور عجیب وغریب اثرات پیدا ہوتے ہیں۔

میرے پاس ایک صاحب علاج کی غرض سے آئے۔ گفتگو کے دوران انہوں نے اپنا ذاتی واقعہ بیان کیا کہ میرے گدھے کے پیٹ کے قریب گہرا زخم ہوگیا، بہت علاج کرائے لیکن افاقہ نہ ہوا۔ حتیٰ کہ اس میں کیڑے پڑ گئے۔ ایک صاحب نے اپنا تجربہ بیان کرتے ہوئے بتایا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارا گدھا تندرست ہوجائے، کیڑے ختم ہوجائیں اور زخم مندمل ہوجائے تو تین پکے سودخوروں کے نام کاغذ پر لکھ کر گدھے کے گلے میں باندھ دو۔ پہلے تو مجھے حیرانی ہوئی کہ اس سے کیا ہوگا لیکن اس کے اصرار پر میں نے اپنے علاقے کے تین سودخوروں کے نام کاغذ پر لکھ کر گدھے کے گلے میں لٹکادیئے۔ آپ حیران ہوں گے کہ صرف تین دن کے اندر اندر میرا گدھا ہر لحاظ سے تندرست ہوگیا، کیڑے مر گئے اور زخم بھر گئے۔

گویا بداعمالی انسان کو اتنا زہریلا بنادیتی ہے کہ اُس کا نام بھی مکروہ اور زہریلا ہوجاتا ہے۔ اسی بداعمالی کے سبب قرآن مجید کے مطابق انسان جانوروں سے بدتر ہوجاتا ہے۔ سودخوری نے ان کو اتنا مکروہ بنادیا کہ ان کا نام بھی زہر آلود ہوگیا۔ یہ اسی طرح ہے جیسے کینسر، ناسور، گلے سڑے زخموں کے لیے زہریلی ادویات، اسپرے یا مرہم استعمال کرنے سے یہ بیماریاں ختم ہوجاتی ہیں۔

مغربی دانشوروں کا خیال ہے کہ انسان کے جسم سے مختلف رنگ کی شعاعیں نکلتی ہیں جو جسم کے اردگرد ایک ہالہ سا بناتی ہیں۔ یہ

شعاعیں 'اورا' کہلاتی ہیں۔ یہ شعاعیں ہر آدمی خارج کرتا ہے خواہ وہ نیک ہو یا بد۔ فرق یہ ہے کہ نیک و بد کی شعاؤں کا رنگ حسب کردار مختلف ہوتا ہے۔ موت سے عین پہلے یہ 'اورا' نیلگوں مائل بہ سیاہی ہوجاتا ہے۔ ایک نظریہ یہ ہے کہ ہر انسان اپنے اعمال کے مطابق ایک ماحول اپنے اردگرد بنالیتا ہے۔ بدکار کا ماحول دیوار کی طرح سخت ہوتا ہے جس سے نہ کوئی فریاد یا دعا باہر جاسکتی ہے اور نہ کا سمک ورلڈ کے عمدہ اثرات اندر آسکتے ہیں۔ ایسا آدمی خفیہ طاقتوں کی امداد سے محروم ہوجاتا ہے۔ ممکن ہے کہ قرآن حکیم کے ''حجاب، غشاوہ (پردہ) ستر (دیوار) اور غلف (غلاف) سے مراد یہی ماحول ہو۔''

ڈاکٹر کرنگٹن کا خیال یہ ہے کہ ''اورا' وہ غیر مرئی مقناطیسی روشنی ہے جو انسانی جسم سے خارج ہوتی ہے۔ یہ یا تو دوسروں کو اپنی طرف کھینچتی ہے یا پرے دھکیل دیتی ہے''۔

اس قسم کی شعاعوں سے انکار ناممکن ہے کیونکہ بعض افراد کی طرف کھینچنا اور بعض سے دور بھاگنا ہمارا روزانہ کا تجربہ ہے۔ یہ شعاعیں جسم خاکی اور جسم لطیف دونوں سے خارج ہوتی ہیں۔ نیک کردار لوگ جسم لطیف کی شعاعوں سے دنیا کو کھینچتے ہیں اور دنیا عقیدت، ایمان اور تنظیم کے تحائف لے کر ان کے یہاں جاتی ہے۔ دوسری طرف جسمانی شعاعیں بعض سفلی جذبات میں تو ہیجان پیدا کرسکتی ہیں لیکن اس سے زیادہ کچھ نہیں کرسکتیں۔

فلسفہ دعا وعبادات: دعا وعبادت کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے اس بات کو سمجھنا ضروری ہے کہ ماہرین روحانیات کے یہاں ہر حرف کا ایک خاص رنگ اور اس میں ایک خاص طاقت ہوتی ہے۔ غیب بینوں نے حروف کو لکھ کر تیسری آنکھ سے دیکھا تو انہیں ''الف'' کا رنگ سرخ، ''ب'' کا نیلا، ''ؤ'' کا سبز اور ''س'' کا رنگ زرد نظر آیا۔ پھر ان کے اثرات کا جائزہ لیا تو بعض الفاظ کے پڑھنے سے بیماریاں جاتی رہیں۔ بعض سے بچھو کے ڈنگ کی تکلیف غائب ہوگئی اور بعض سے سانپ تک پکڑ لیے گئے۔ انبیائے کرام اور اولیائے عظام کی روحانی قوت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ ان کے کلمات میں حیرت انگیز طاقت پائی جاتی ہے، اتنی طاقت کہ ایک صاحب دل ان سے خطرناک امراض و آلام تک دور کرسکتا ہے۔ تعویذ کی طاقت کا راز بھی یہی ہے کہ ''ایک تعویذ یا ٹوٹکہ، جس میں کوئی زبردست مقناطیسی شخصیت کسی خاص مقصد کے لیے مقناطیسی طاقت بھر دے، بہت مفید ثابت ہوتا ہے''۔

پادری لیڈبیٹر یورپ کے مشہور دانشور میں سے تھے۔ ان کی وفات غالباً ۱۹۳۵ء میں ہوئی۔ یہ جسم لطیف میں دور دور تک پرواز کرتے اور مخفی اشیا کو دیکھ سکتے تھے۔ وہ اپنی کتاب The Masters and the path کے صفحہ ۱۳۶ پر لکھتے ہیں کہ

''ہر لفظ ایتھر میں ایک خاص شکل اختیار کرلیتا ہے مثلاً لفظ ''نفرت'' اس قدر بھیانک صورت میں بدل جاتا ہے کہ ایک مرتبہ میں نے یہ صورت دیکھ لی اور اس کے بعد مجھے یہ لفظ استعمال کرنے کی کبھی جرات نہ ہوئی۔ اس منظر سے مجھے انتہائی ذہنی کوفت ہوئی تھی''۔

اس کتاب میں یہ واقعہ بھی درج ہے کہ ایک محفل میں چند احباب گفتگو میں مصروف تھے اور میں ذرا دور بیٹھ کر ان کے اجسام لطیفہ کا مشاہدہ کررہا تھا۔ ایک نے کسی بات پر زور سے قہقہہ لگایا، ساتھ ہی کوئی پھبتی کس دی۔ اس کے اس عمل کے فوراً بعد اس کے جسم لطیف پر گہرے نسواری رنگ کا ایک ایسا جالا تن گیا جسے دیکھ کر انتہائی کراہت پیدا ہوئی۔

الہامی الفاظ اور اسمائے الٰہی میں اتنی طاقت ہے کہ ان کے ورد سے ہماری پریشانیاں اور بیماریاں دور ہوجاتی ہیں۔ مسلمان اس لحاظ سے خوش قسمت ہیں کہ ان کے پاس اللہ کے ننانوے صفاتی نام مثلاً رحیم، کریم، غفور، خبیر وغیرہ موجود ہیں جنہیں حسب حاجت پکارا جاسکتا ہے۔ الفاظ کی یہ طاقت اصل حروف میں ہوتی ہے۔ اگر کسی لفظ کا ترجمہ کردیا جائے تو وہ بات نہیں رہتی اور اثر بدل جاتا ہے۔ جو طاقت ''یارحیم'' میں ہے وہ ''یا مہربان'' میں نہیں۔ قوت کا جو خزانہ الہامی الفاظ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجویز کردہ دعاؤں میں ہے، وہ ہمارے الفاظ میں نہیں ہوسکتا۔

ہر لفظ ایک یونٹ یا آئٹم ہے جسے اندرونی جذبات کی بجلیاں چارج کرتی ہیں اور اس کے اثرات اس عالم خاکی اور عالم لطیف (کاسمک یا آسٹرل ورلڈ) دونوں میں نمودار ہوتے ہیں۔ اس کی ہلکی سی ایک مثال گالی ہے۔ گالی کسی تلوار یا توپ کا نام نہیں بلکہ یہ چند الفاظ کا مجموعہ ہے لیکن منہ سے نکلتے ہی مخاطب کے تن بدن میں آگ لگادیتی ہے۔ یہ آگ کہاں سے آتی ہے؟ الفاظ کے اس مجموعے سے۔

اس کی ایک اور مثال وہ ''کراہ'' یا ''چیخ'' ہے جو کسی دکھیا کے

منہ سے نکل کر تمام ماحول کو بے چین کر دیتی ہے یا وہ تقریر ہے جو کوئی آتش بیان جرنیل، بے ہمت فوج کے سامنے جھاڑتا ہے اور ہر سپاہی میں اس قدر آگ بھر دیتا ہے کہ وہ موت کے سیلابوں اور طوفانوں سے بھی نہیں بجھ سکتی۔

آرام/ نیند: اچھے ناموں کے اثرات کے بعد اب ہم آرام/ نیند کے طریقہ کار کے حوالے سے اسلام اور جدید سائنس کے تناظر میں بات کریں گے کہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں آرام کرنا یا سونا کس طرح ہمارے اوپر مثبت اثرات مرتب کرتا ہے، جن کی تصدیق آج جدید سائنس بھی کرتی ہوئی نظر آرہی ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین میں سے کوئی آدمی بھی کبھی بھی بے خوابی کا شکار نہیں ہوا۔ اس کی وجہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ مبارک طریقہ ہے جس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آرام فرماتے تھے۔ آیئے اس مبارک طریقہ کو میڈیکل اور سائنس کی رو سے دیکھیں کہ یہ طریقہ موجودہ انسانی زندگی کے لیے کس طرح مفید اور موثر ہے؟

دائیں کروٹ لیٹنا: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دائیں جانب رو بقبلہ ہوکر آرام فرماتے تھے۔ دل بائیں طرف ہے اگر بائیں طرف لیٹیں تو دل کے امراض پیدا ہونے کا قوی خطرہ ہوتا ہے۔ کیونکہ بائیں کروٹ لیٹنے سے معدہ اور آنتوں کا بوجھ دل پر پڑتا ہے جس کی وجہ سے دوران خون اور دل کی حرکات میں کمی پیدا ہوجاتی ہے۔ نیند کے بارے میں تجربات سے یہ چیز واضح ہوئی کہ جن مریضوں کو مسلسل دائیں کروٹ سلایا گیا وہ مریض بہت جلد صحت یاب ہوگئے اور جن مریضوں کو بائیں کروٹ سونے دیا گیا، وہ مریض بے چین ہی رہے۔ جدید تحقیق سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ دائیں طرف سونا دل اور معدے کے امراض سے بچاتا ہے۔ حتیٰ کہ بے ہوشی اور مسلسل بے ہوشی سے بھی محفوظ رکھتا ہے۔

صاحب مدارج النبوۃ نے اس کی حکمت یہ نقل کی ہے کہ چونکہ بائیں جانب دل ہوتا ہے اگر اس کروٹ کے بل سویا جائے تو نیند بہت گہری آتی ہے۔ حتیٰ کہ آدمی اپنے آپ سے بالکل بے خبر ہوجاتا ہے ہلکی آہٹ پر بھی آنکھ نہیں کھلتی، ظاہر ہے کہ ایسی نیند محمود نہیں۔ اگر دائیں کروٹ سویا جائے تو دل معلق رہتا ہے اور شدید گہری نیند نہیں آتی۔ یعنی ذرا سی آہٹ پر آنکھ کھل جاتی ہے۔ اس طرح خدانخواستہ کسی بھی ناگہانی صورت میں انسان اپنی اور اپنے اہل وعیال کی حفاظت کر سکتا ہے اور صبح کی نماز کے لیے آسانی سے آنکھ کھل جاتی ہے۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوران سفر اگر صبح کے وقت کبھی آرام فرماتے تو دایاں بازو کی ہتھیلی پر سر رکھ کر آرام فرماتے تاکہ نیند زیادہ گہری نہ آئے اور نماز فجر قضا نہ ہوجائے۔

اسی طرح حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بغیر منڈیر کی چھت پر سونے سے منع فرمایا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان جب نیند سے بیدار ہوتا ہے یا رات کو پیشاب وغیرہ کے لیے اٹھے اور اندھیرے میں پتہ نہ چلے اور آنکھیں نیند سے بوجھل ہو رہی ہوں تو ایسی صورت میں بغیر منڈیر والی چھت سے گرنے کے امکانات بہت زیادہ ہیں۔ ایسی احتیاطیں اب جدید دنیا نے بہت زیادہ کی ہیں حالانکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صدیوں پہلے فرمادیا تھا۔

اوندھے منہ لیٹنے کی ممانعت: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اوندھے منہ لیٹنے سے منع فرمایا ہے۔ اوندھے منہ لیٹنے سے تمام اعضائے ہضم اور اعضائے رئیسہ اوندھے اور بے ترتیب ہوجاتے ہیں۔ اس کا سب سے پہلا نقصان دماغ پر پڑتا ہے۔ دماغی لہریں اپنی ترتیب سے ہٹ کر دوسرا منفی رخ اختیار کر لیتی ہیں حالانکہ وہ مسلسل مثبت انداز سے انسان کو فائدہ پہنچاتی ہیں۔ جب یہ لہریں منفی آتی ہیں تو آدمی کو ڈراؤنے خواب آتے ہیں۔ حتیٰ کہ ماہر نفسیات کے مطابق ایسے شخص کی زندگی کا رخ بھی اپنی ترتیب سے ہٹ جاتا ہے اور وہ الٹی سوچ کا حامل ہوجاتا ہے۔

زیادہ سونے کی ممانعت: اسی طرح احادیث میں زیادہ سونے سے منع فرمایا گیا ہے۔

- زیادہ سونے سے بدن میں سستی اور کسل مندی پیدا ہو جاتی ہے جس سے جہاں دنیا کے کاموں میں حرج پڑتا ہے اور وہاں دین کو بھی سریع نقصان پہنچتا ہے۔
- زیادہ سونے سے مرگی، اختناق الرحم یا ہسٹریا اور بے خوابی کی مرض میں اضافہ ہوتا ہے۔
- زیادہ سونے سے آنکھوں کے امراض خاص طور پر پپوٹوں کی ورم پیدا ہوتی ہے۔

• زیادہ سونے سے بدخوابی کا مرض پیدا ہوتا ہے اور بدخوابی کے مریضوں کے لیے تو زیادہ سونا سم قاتل سے کم نہیں۔

چمڑے اور کھجور کی چھال کا بستر: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بستر چمڑے کا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ (مدارج النبوۃ)

سائنس فطرت کی طرف لوٹ رہی ہے۔ جدید تحقیقات کے مطابق چمڑے سے بنی ہوئی چیز انسانی جسم کے عین مطابق ہے، یہ کسی طور پر بھی نقصان دہ نہیں ہوسکتی۔

امریکن کونسل فار ہیلتھ نے اپنی حالیہ رپورٹ میں چمڑے کا ذکر بھی کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ چمڑے کا بستر بواسیر، کمر کا درد، اعصابی کمزوری اور عضلاتی کھچاؤ کا واحد علاج ہے۔ کھجور کی چھال ریشہ دار ہونے کی وجہ سے فوم کی مانند نرم ہوتی ہے۔ لیکن نقصان فوم جیسا ہرگز نہیں ہوتا اس لیے یہ مفید ہے۔

سائنس اور اس کی تمام مشینری پھر سے اسلامی علوم کو کھنگال رہی ہے کہ اس میں کہاں کہاں شفا کے راز موجود ہیں۔

عشا سے قبل سونے کی ممانعت: آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عشا سے قبل سونے سے منع فرمایا۔ عصر کے بعد زمین کی گردش محوری اور گردش طولانی کے کم ہونے سے ایک خاص قسم کی گیس زمین سے نکلتی ہے جس سے آدمی کے دل و دماغ پر ایک بوجھ اور وزن پڑتا ہے۔ اگر آدمی عصر اور عشا کے درمیان سو جائے تو اس گیس کا مقابلہ نہیں کرسکتا جس کی وجہ سے طرح طرح کے امراض میں مبتلا ہوسکتا ہے۔

وضو کر کے سونا: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سونے سے قبل وضو فرمایا کرتے تھے۔

عشا کی نماز کے بعد زندگی کے کچھ معمولات ہوتے ہیں۔ اب جبکہ آرام کا وقت آ گیا ہے تو ایسی حالت میں آرام اور سکون کے لیے وضو بہت ضروری ہے۔ وضو اعضا کو تعدیل میں لاتا ہے۔ وضو بے خوابی، بے سکونی اور ڈپریشن کا معقول علاج ہے۔ اس سکون کے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے سنت ہے کہ وضو کر کے سویا کریں۔

سونے سے قبل لباس تبدیل کرنا: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سونے سے قبل لباس تبدیل فرمالیا کرتے۔

حفظان صحت کا اصول ہے کہ جس لباس میں آپ تمام دن رہیں، اسی لباس میں ہرگز نہ سوئیں بلکہ کسی ایسے لباس میں سوئیں جو ہلکا اور ڈھیلا ہو کیونکہ تنگ اور سخت لباس میں نیند نہیں آتی۔

سونے کا لباس یا سلیپنگ ڈریس اہل یورپ کی ہی اصطلاح ہے جسے وہ صحت کے اصولوں کے موافق اور فخر سمجھ کر پہنتے ہیں۔ جبکہ اسلام نے صدیوں قبل مسلمانوں کو رات کو ہلکا اور کھلا لباس پہننے کی طرف متوجہ کیا ہے۔

بستر کو جھاڑنا: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سونے سے قبل بستر کو جھاڑنے کی ہدایت فرمائی ہے۔

ایسی احتیاطی تدبیر جو شاید کسی بھی مذہب میں نہ ملے لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر لحاظ سے محفوظ رہنے کے لیے بستر کو جھاڑنے کا حکم فرمایا ہے تاکہ کسی قسم کے حشرات الارض مثلاً کیڑا، سانپ، بچھو وغیرہ نقصان نہ دے سکیں۔

حاجتی: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چارپائی کے نیچے ایک حاجتی (وہ برتن جس میں پیشاب کیا جاتا ہے) ہوتی تھی جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو اٹھ کر پیشاب کیا کرتے تھے۔

محدثین نے اس بات کی وضاحت میں مختلف آرا پیش کی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا کسی سخت ضرورت یا مرض میں کیا ہو یا سخت سردی میں ایسا کرتے ہوں۔

اٹیچ باتھ کا جو تصور یورپ نے دیا ہے صرف اس لیے کہ سردی کی رات میں جبکہ آدمی گرم بستر میں لیٹا ہوا ہوتا ہے اور اگر یہ باہر جائے تو اسے ٹھنڈی ہوا لگ جائے گی اور اس ٹھنڈی ہوا سے فالج، لقوہ اور جوڑوں کے دردوں کا خطرہ ہوسکتا ہے۔

حاجتی اسی اٹیچ باتھ کا نام ہے اور یہ عمل بھی مسلمانوں کو مسلسل احتیاط سکھاتا ہے تاکہ وہ تندرستی سے اللہ تعالیٰ کی مکمل اطاعت کرسکیں

مشکیزے کا منہ بند کر کے رکھنا: اگر مشکیزے (موجودہ دور میں گھڑا، پانی کا کین، پانی کی بالٹی وغیرہ) کا منہ کھلا رہ گیا تو اس میں کوئی کیڑا، سانپ، بچھو وغیرہ جا سکتا ہے۔ (زادالمعاد)

اسلام نے اس کی احتیاط یہاں تک بتائی ہے کہ مشکیزے کو منہ لگا کر پانی نہ پیو تاکہ ضرر رساں جانور منہ میں نہ چلا جائے۔ یہی احتیاطیں آج کی ماڈرن زندگی کا حصہ ہیں۔

اٹھنے کے فوراً بعد ہاتھ دھونا: احادیث میں اٹھنے کے فوراً بعد ہاتھ دھونے کی ہدایت ہے۔

سوتے ہوئے ہاتھ نامعلوم کہاں کہاں لگتے رہتے ہیں اوران پر قسم قسم کے جراثیم لگے رہتے ہیں۔ اب اگر وہی جراثیم آلودہ، ہاتھ پانی وغیرہ میں ڈالیں گے تو پانی بھی آلودہ ہوجائے گا۔ اس خطرناک کیفیت سے بچنے کے لیے اسلام نے اٹھنے کے فوراً بعد ہاتھ دھونے کا حکم فرمایا ہے۔ پیٹ کے کیڑوں کے بعض مریضوں کے ناخنوں میں کیڑوں کے انڈے پوشیدہ ہوتے ہیں۔ اگر یہی ہاتھ بغیر دھوئے پانی میں ڈالیں تو یہی انڈے پانی میں مل کر دوسرے انسان کے لیے ضرر کا باعث بن سکتے ہیں۔

سخت زمین پر سونا: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معمولات میں زمین پر آرام فرمانا زیادہ ثابت ہے۔ کمر کے درد کے مریضوں کو سخت زمین یا تختے پر سونے کا مشورہ دیا جاتا ہے۔ حتی کہ جدید تحقیق کے مطابق جو آدمی سخت زمین یا تختے پر سوئے گا وہ کبھی بھی ریڑھ کی ہڈی کے درد، حرام مغز کے ورم اور کمر کے درد میں مبتلا نہیں ہوگا۔

چراغ بجھا دینا: حدیث میں سونے سے قبل چراغ بجھا دینے کی ہدایت دیتے ہوئے فرمایا کہ

چراغ بجھا دیا کرو ورنہ بتی چوہیا لے کر چھت پر پہنچ جاتی ہے اور چھت کو آگ لگ جاتی ہے۔

آج کے دور میں بلب بجھانا ضروری ہے۔ اگر بلب بجھا ہوا ہوگا تو نیند سکون سے آئے گی اور آنکھوں پر برے اثرات نہیں پڑیں گے۔ اگر بلب بجھا ہوا ہوگا تو تیز لائٹ سے وہ نہیں پھٹے گا۔ حتی کہ اگر بجلی بجھا کر سوئیں تو شارٹ سرکٹ کی وجہ سے آگ لگنے سے بچ جاتا ہے۔ آج کے دور میں بجلی کی وجہ سے مارکیٹیں جل جاتی ہیں۔ مزید یہ کہ دھواں جو مکمل کاربن گیس سے مرکب ہے اگر کمرے میں بھر جائے تو دم گھٹ کر مرنے کا خطرہ ہے۔

محترم قارئین! اگر ہم اپنی زندگی کو سنتِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مزین کریں تو اس سے جہاں ہمیں دنیاوی فوائد نصیب ہوتے ہیں وہاں آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت واتباع کی بنا پر اخروی کامیابی وفلاح بھی ہمارا مقدر بنے گی۔

●●

(بقیہ ص ۵۶ کا)

بلکہ اس پر ثابت قدم رہنے پر وہ انعام واکرام سے نوازتا ہے جس طرح حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رشتۂ ازدواج میں منسلک کر کے انہیں دلی سکون واطمینان میسر آیا۔

(۲) اگر شوہر نیک صالح ہو تو اس کا دل سے عزت واحترام کرنا بھی دین اسلام سے ثابت ہے۔ جس طرح ۱۶ سال بعد جب حضرت ام حبیبہ کے والد گرامی حضرت ابوسفیان اپنی بیٹی سے ملنے آئے تو آپ نے انہیں عزت وتکریم دیتے ہوئے حجرے میں بلایا لیکن بستر نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بیٹھنے کی اجازت نہ دی۔ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا منصب بہت اونچا ہے مگر عام عورتوں کے لیے اس میں یہ حکم ہے کہ اپنے شوہر کی عزت وحرمت کا خیال رکھا جائے۔ اس کی عیب جوئی نہ کی جائے۔ اس کے وقار کا خیال رکھا جائے۔ ہمارے معاشرے میں عورتیں اپنے شوہروں کو بدنام کرتی رہتی ہیں۔ ان کی عیب جوئی کرتی ہیں۔ دین اسلام اس کی مذمت کرتا ہے۔

(۳) حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے دم آخر ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو بلا کر ان سے معافی طلب کی کہ ان معاملات میں معاف کر دیں جو ازواج کے درمیان ہوجایا کرتے ہیں۔

اس سے تمام خواتین کو یہ سبق ملتا ہے کہ ہر کسی کے ساتھ احسن سلوک روا رکھنا چاہیے اور حتی الامکان محبت وامن اور بھائی چارگی کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے اور رشتوں کو جوڑنے کا سبب بننا چاہیے کیونکہ ہمیں ام المومنین کی حیات مبارکہ سے نہایت نازک رشتہ جو عرف عام میں سوتن کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اسے بھی کتنے احسن انداز سے نبھانے کی مثال ملتی ہے کہ دوران زندگی وہ پھونک پھونک کر قدم رکھنے کے باوجود بھی تادم آخر ان سے معافی مانگ کر اس دنیا کو خیرآباد کہتی ہیں تاکہ وہ اپنے دل پر کوئی بوجھ نہ لے جائیں لہٰذا ہمیں بھی اپنے تمام رشتوں کو اسی طرح سے نبھانا چاہیے تاکہ ایک پرامن و پرسکون فضا کا حصول ممکن ہوسکے۔

اللہ ہم سب کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نعلین پاک کے طفیل ان پاک ہستیوں کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

●●

مؤثر دعوت دین کیوں اور کیسے؟

مولانا آفتاب رشک مصباحی

ناکامی کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم دوسروں کی طبیعتوں کو پہچانے بغیر اپنی علمیت وفضیلت کی دھاک بٹھانے میں مصروف ہیں، یہ نہیں سمجھتے کہ بعض اوقات مناظراتی گفتگو سے پرہیز کرکے بھی دل کی دنیا فتح کی جاسکتی ہے

حقیقی اور مؤثر دعوت دین کے لیے ہمیں دعوت کے ان بنیادی تصورات کی طرف غور وفکر کرنا ہوگا جن کو اپنائے بغیر حقیقی نظام دعوت قائم نہیں کیا جاسکتا۔ ان بنیادی تصورات کو دعوت کے ستون کہنا بھی بے جا نہ ہوگا۔ اس لیے کہ دعوت کے بنیادی تصورات سے اعراض کر کے داعیین نہ صرف دوسروں کو بلکہ اپنے آپ کو بھی دھوکا دیں گے۔ ذیل میں دعوت دین کے چند بنیادی تصورات ذکر کیے جارہے ہیں جن سے ایک طرف ہمیں دعوت کے حقیقی مفاہیم سے آگہی ہوگی اور دوسری طرف فروغ دین کے لیے بھی آسانی میسر آئے گی۔

زندگی حق وباطل میں ٹکراؤ سے عبارت ہے:

اسلام قبول کرنے سے زندگی کی مشکلات ومصائب کا خاتمہ نہیں ہوجاتا بلکہ اسلام ان مصائب ومشکلات سے نبرد آزما ہونے کے لیے ایک نئے پلان اور جذبے کا نام ہے۔ یہ کہنا کہ اسلام قبول کرنے سے آئندہ زندگی بہت آرام سے گزرتی ہے، محض خام خیالی ہے۔ یہ دنیا، آخرت کی کھیتی ہے یہاں جو فصل بوئی جائے گی وہی کاٹی جائے گی۔ فصل کے حصول کے لیے کسان کن مصائب وآلام کو برداشت کرتا ہے، یہ ہر شخص پر عیاں ہے۔ یہ دنیا امتحان کی جگہ ہے اور اللہ ہمیشہ مصائب و تکالیف کے ذریعے اپنے بندوں کا امتحان لیتا ہے۔ کس چیز کا امتحان؟ سچائی اور کھرے پن کا امتحان۔۔۔ ایمان اور عمل کی سچائی کا امتحان۔۔۔ جذبوں اور ارادوں کی سچائی کا امتحان۔۔۔ محبت اور وفاؤں کی سچائی کا امتحان۔۔۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَ هُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ

”کیا لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ (صرف) ان کے (اتنا) کہنے سے کہ ہم ایمان لے آئے ہیں، چھوڑ دیے جائیں گے اور ان کی آزمائش نہ کی جائے گی؟“ (سورۃ العنکبوت: آیت ۲)

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان اور صاحب ایمان کو ہر میدان اور ہر محاذ پر آزمایا ہے۔ البتہ کسی کو زیادہ اور کسی کو تھوڑا آزمایا ہے۔ جس کو جتنا آزمایا ہے اسے اتنا ہی نوازا ہے۔ زندگی میں حق وباطل کی تمیز کرنے کا آسان ہنر یہ ہے کہ انسان تقابل کرے کہ اس کے طریقہ کار سے باطل قوتیں خوف زدہ ہوتی ہیں یا نہیں؟ اگر باطل قوتیں آپ کی دعوت اور اس کے طریقہ کار سے مطمئن ہوں اور یہ سمجھتی ہوں کہ ان داعیین کا اس طرح دین کا کام کرنا اُن کے مفادات کو چیلنج نہیں کرتا تو داعی کو اپنی اصلاح کی جانب متوجہ ہونا ہوگا۔ اگر استحصالی قوتیں آپ سے خوف زدہ ہوں، اُن کے مفادات پر کاری ضرب پڑے تو سمجھیں کہ آپ حق پر چل رہے ہیں۔

تاریخ انبیا میں کسی بھی نبی نے یہ تعلیم نہیں دی کہ دین حق قبول کرنے سے مصائب ومشکلات ختم ہوجائیں گی حتی کہ جو اصحاب محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حلقہ غلامی میں آگئے ان کے عشق کا بھی امتحان بھی لیا گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر کفارِ مکہ کی طرف سے ہونے والے ظلم وستم سے لے کر واقعہ کربلا تک، یہ سب ایمان وعشق کا امتحان ہی تو ہے۔ جتنا عظیم امتحان ہوا، اتنے ہی عظیم مقام سے نوازا گیا۔ جسے عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جتنا آگے پایا اُسے اتنا ہی اونچا مقام عطا فرمایا۔ مصائب ومشکلات ایک طرف امتحان ہیں اور دوسری طرف اپنی حقیقت میں اللہ کا فضل ہیں۔ ان سے ہمیں اپنی شخصیت کی خامیوں کا پتہ چلتا ہے۔ دل میں اللہ کے ہر وقت موجود رہنے کا احساس جاگزیں ہوتا ہے اور توکل ویقین شخصیت کا حصہ قرار پاتا ہے۔

اسلام نقطۂ آغاز کا نام ہے:

مؤثر اور حقیقی دعوت کے فروغ کا دوسرا بنیادی تصور یہ ہے کہ اسلام نقطۂ آغاز کا نام ہے۔ اسلام قبول کرنے سے پہلے انسان شرک و جہالت کی تاریکیوں میں بھٹک رہا تھا۔ اسلام قبول کرنے سے وہ اس راستہ پر پہنچ گیا جو اسے ان تاریکیوں سے نکال کر نور الٰہی کی صحبت میں پہنچا سکتا ہے۔ اب اگلا سفر بحیثیت مسلمان کے شروع ہوتا ہے۔ یہ سفر

شعبہ فارسی، بہار یونیورسٹی، مظفرپور، بہار

درحقیقت مومن بننے کا سفر ہے۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ معیارِ زندگی محض کلمہ پڑھنے سے نہیں بلکہ عملاً کلمہ کی لاج رکھنے سے بلند ہوتا ہے۔ اسلام تو کلمہ پڑھنے سے حاصل ہوتا ہے مگر مومن (اپنے اصطلاحی معنی کے اعتبار سے) انسان تب تک نہیں بن سکتا جب تک وہ اپنے ظاہر و باطن میں مکمل طور پر کلمہ کی عملی تفسیر نہ بن جائے۔ قرآن مجید میں اسی حقیقت کی طرف یوں رہنمائی کی گئی کہ

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ. اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ

"دیہاتی لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں، آپ فرما دیجیے، تم ایمان نہیں لائے، ہاں یہ کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں اور ابھی ایمان تمہارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا، اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اطاعت کرو تو وہ تمہارے اعمال (کے ثواب میں) سے کچھ بھی کم نہیں کرے گا، بے شک اللہ بہت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے۔ ایمان والے تو صرف وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان لائے، پھر شک میں نہ پڑے اور اللہ کی راہ میں اپنے اموال اور اپنی جانوں سے جہاد کرتے رہے، یہی وہ لوگ ہیں جو (دعویٰ ایمان میں) سچے ہیں"۔
(سورۃ الحجرات: آیت ۱۴، ۱۵)

لہٰذا اسلام لانے کے بعد مومن بننے کا سفر ہمیشہ پیشِ نظر رہے کیونکہ یہی مقصود و مطلوب ہے۔

تعلیماتِ اسلام کی پیروی، تبدیلی کا پیش خیمہ:

ہمیشہ ذہن نشین رہے کہ حالات اسلام پر عمل کرنے سے ہی تبدیل ہوں گے۔ اسلام قبول کرنے کا فائدہ یہی ہے کہ انسان کی آخرت برباد ہونے سے بچ جائے مگر قبول اسلام زندگی کی ذمہ داریوں سے فرار کا نام نہیں۔ اللہ تعالیٰ جب کسی کو خصوصی نعمت سے نوازتا ہے تو پھر اس نعمت کی ناشکری پر عذاب بھی ویسا ہی شدید دیتا ہے۔ جتنی عظیم نعمت کی ناشکری اتنا ہی شدید عذاب، یہ قرآنی قانون ہے۔ حق کی روشنی (اسلام) سے قلب و باطن کو منور کرنے سے بڑی نعمت کوئی نہیں اور اس کی شدید ناشکری یہ ہے کہ انسان اس کی عظمت کے بہانے اپنے آپ کو ساری عملی ذمہ داریوں سے فارغ سمجھے۔ محض یہ سمجھنا کہ پانچ وقت کی نماز سے حالات بدل جائیں گے، محض خام خیالی ہے۔ نماز کے ساتھ جب تک معاشرتی حالات کے سدھار کی طرف ٹھوس عملی اقدامات اور عمل صالح نہ ہو تو وہ نماز بے روح ہے۔ علامہ نے اسی لیے تو کہا کہ

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

اسلام قبول کرنے کے بعد ہماری اولین ذمہ داری یہ بنتی ہے کہ ہم اپنی ذمہ داریوں کو اسلامی اصول و نظریات کی روشنی میں احسن طریقے سے نبھائیں۔ قرآن ہماری تمام بیماریوں سے نجات کا نسخہ ہے۔ نسخے پر عمل کرنے سے ہی بیماریوں سے نجات ہوگی نہ کہ صرف محض نسخے کو عقیدت و احترام سے چوم کر اظہارِ محبت کرنے سے۔ قرآن نے کہہ دیا کہ انسان کو وہی کچھ ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔ محض لفظوں سے اظہارِ محبت نہیں بلکہ عملاً اظہار محبت سے حالات زندگی بدلتے ہیں۔

قول و فعل میں یکسانیت:

انسان کے لیے اطمینانِ قلب سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں۔ یہ نعمت تب ملتی ہے جب انسان کا فعل اس کے قول سے مطابقت رکھتا ہو اور وہ اپنی شخصیت کے عقلی و جذباتی تقاضے بھرپور اور متوازن طریقے سے پورے کر رہا ہو۔ یہی دعوت دین کا چوتھا بنیادی تصور ہے۔ آج اسلام کی دعوت مؤثر نہیں رہی کیونکہ تبلیغی تنظیمیں قول و فعل کے تضاد میں مبتلا ہیں اور قول و فعل کے تضاد سے حقیقی اطمینان قلب نہیں ملتا۔ آج ہماری تبلیغی کاوشوں سے مسلمان تو پیدا ہو رہے ہیں مگر معاشرہ تبدیل نہیں ہو رہا۔ ہر طرف بے چینی اور پریشانی کا رواج ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ دینی جماعتوں کے قائدین اپنی قیادت کی دکانداری چمکانے کے بجائے معاشرے میں حقیقی تبدیلی اور اسلام کے فروغ کے لیے اخلاص سے کام کریں۔ اپنی تقاریر اور تبلیغی رویوں میں معاشرتی تبدیلی کو بھی موضوع بحث بنائیں۔ اطمینانِ قلب کے لیے صرف کلمہ طیبہ پڑھنا ہی کافی نہیں بلکہ اس کے عملی تقاضوں کو بھی پورا کرنا ہوگا۔

زباں نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ سے بڑھ کر دین کے فروغ کے تقاضوں سے کون آگاہ ہوگا جنہوں نے ایمان کی سلامتی اور پختگی کو معاشرے کے سدھار کے ساتھ متعلق کیا۔ نہ صرف انفرادی اصلاح کے راستے پر گامزن رہے بلکہ معاشرتی و اجتماعی اصلاح کے لیے بھی جان و مال کی قربانیاں پیش کیں اور ہر لمحہ اور موقع پر اُن کے قول و فعل میں مطابقت و یکسانیت عیاں رہی۔

مؤثر دعوت اسلام کے تین اسلوب:

طبیعتوں کے اعتبار سے انسانوں کی درج ذیل تین اقسام ہیں۔ ان میں سے جو کیفیت بھی دوسری کیفیات پر غالب رہتی ہے، انسانی شخصیت کا وہی عنوان ٹھہرتی ہے۔

(۱) علمی

(۲) فکری

(۳) جذباتی

طبیعت کی پہلی قسم ''علمی'' ہے۔ علمی ذوق جب طبیعت پر غالب رہتا ہے تو انسان علمی موضوعات پر دلائل کی صحبت میں رہنے کو ترجیح دیتا ہے۔ دلائل کی نوعیت، اقسام اور ماخذ کے معاملات میں گم رہنا اس کی عادت بن جاتی ہے۔ اس کی طبیعت مناظراتی ماحول سے تسکین پاتی ہے۔ دلائل کی ترتیب و تدوین سے اسے ایک طرح کا اطمینان قلب ملتا ہے۔ دوسروں میں بھی صرف انہیں ملنا پسند کرتا ہے جنہیں دلائل دینا اور دلائل پر مبنی گفتگو کرنا آتی ہو۔ یہ بات بھی تب سمجھنا گوارا کرتے ہیں جب وہ علمی حوالوں اور علمی گفتگو کے طرز پر سمجھائی جائے۔

ایسی طبیعتوں کے افراد کے لیے اسلام کی علمی و سائنسی پیشکش بہتر ہوتی ہے۔ جب تک علم کے میدان میں اسلام کے کارنامے حوالہ جات کے ساتھ ان کے سامنے پیش نہ کیے جائیں، اپنی طبیعت کے ہاتھوں مجبور یہ لوگ ان حقائق کو قبول کرنے میں دِقت محسوس کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے گفتگو کے لیے مبلّغ کی لازماً تاریخ، قانون اور عقائد کے علمی پہلو پر مضبوط ترین گرفت ہونی ضروری ہے۔

طبیعت کی دوسری قسم ''فکری'' ہے۔ فکری ذوق انسان کو فلسفیانہ طرزِ فکر کی جانب راغب کرتا ہے۔ ایسے لوگ دلائل کی بجائے تصورات کی صحبت میں رہنا پسند کرتے ہیں۔ یہ لوگ دلائل کی بجائے ان تصورات کی جانچ پڑتال کرتے ہیں جہاں سے دلائل جنم لیتے ہیں۔ یہ تخیل پسند لوگ ہوتے ہیں اور شعوری سطح پر اپنے اردگرد کے ماحول سے مشاہدے کی بنیاد پر بہت سے سوالات اکٹھے کر کے ان پر سوچ بچار کرنا پسند کرتے ہیں۔ فکری ذوق دلائل کی بجائے حکمت پر نظر رکھتا ہے۔ ایسے لوگوں کے سامنے اسلام سے متعلقہ فکری موضوعات پیش کرنا بہت مفید ہے۔

اسلام انسانیت کی فکری سطح پر کیا راہنمائی مہیا کرتا ہے۔؟ اسلام فکری سطح پر دنیا کے بقیہ مذاہب اور فلسفیانہ طرز زندگی سے کس طرح بہتر ہے۔؟ یہ ایک ایسا موضوع ہے جس پر ہر مبلّغ نہیں بول سکتا۔ اس پر بھی شدید محنت کی ضرورت ہے۔ ہمارے دینی مدارس کے نصاب میں کوئی معیاری فکری مضامین نہیں پڑھائے جاتے۔ اسلامی فکر جب تک تقابلی انداز سے پیش نہیں کی جائے گی، اس وقت تک اس کی عظمت نکھر کر سامنے نہیں آئے گی۔

طبیعت کی تیسری قسم ''جذباتی'' نوعیت کی ہے۔ یہ لوگ اپنے جذبات کی تسکین چاہتے ہیں۔ انہیں نہ تو دلائل کی ترتیب و تدوین سے کوئی غرض ہوتی ہے اور نہ ہی یہ تصورات کی جستجو کی شعوری کوشش کرتے ہیں۔ یہ تو سب ایک ہی چیز کے عادی ہوتے ہیں کہ کسی طرح شرابِ عشق مل جائے تا کہ ساری زندگی مستی میں گزر جائے۔ ایسے لوگوں کے سامنے اسلام کی تاریخ عشاق پیش کرنا مفید رہتی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعلقاتِ عشق و محبت ان لوگوں کے نزدیک علم الکلام سے زیادہ قابل اعتبار ٹھہرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے سامنے اسلام کی مؤثر دعوت کے لیے مبلّغ کو نہ صرف خود اس موضوع پر گہری تحقیق حاصل ہو بلکہ وہ خود بھی اس شرابِ عشق سے حالت مستی میں ہو۔ اس طبیعت کے لوگ عشقِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بدولت ہر مشکل اور مصیبت پر قابو پا لیتے ہیں۔ اسی عشق کے بارے میں علامہ نے کہا

عشق کی ایک جست نے کر دیا قصہ تمام

اسی عشق کو ختم کرنے کے لیے سامراجی طاقتوں نے برصغیر کے مسلمانوں پر طرح طرح کے حملے کیے۔ علامہ نے اسی جانب یوں اشارہ کیا:

یہ فاقہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روحِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کے بدن سے نکال دو

قادیانیت اور نجدیت جیسے فتنے برپا کرنے کا مقصد بھی روحِ

محمد کو جسدِ امتِ مسلمہ سے نکالنا تھا۔

دعوت اسلام میں قابل ذکر نتائج حاصل نہ ہونے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم لوگ دوسروں کی طبیعتوں کو پہچانے بغیر اپنی علمیت و فضیلت کی دھاک بٹھانے میں مصروف ہیں۔آج کے مبلّغ میدانِ علم میں بازی جیت کر فخر محسوس کرتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ بعض اوقات مناظراتی گفتگو سے پرہیز کر کے بھی دل کی دنیا فتح کی جا سکتی ہے۔ دوسروں کو احساسِ شکست میں مقید کر کے ہم ان کے دلوں میں اسلام کی عظمت کس طرح پیدا کر سکتے ہیں۔؟

دعوتِ اسلام کے عملی اقدامات:

اسلام کی مؤثر دعوت کے لیے ضروری ہے کہ ہم مختلف سوالات کے ذریعے سامع کی طبیعت کو جانچنے کی کوشش کریں کہ اس کی طبیعت علمی ہے یا فکری یا عشقی تا کہ اس کے مطابق گفتگو کی جائے اور مثبت نتائج پیدا کیے جائیں۔

مبلّغ کی علمی،فکری اور جذباتی موضوعات پر گہری تحقیق کا ہونا ضروری ہے۔اس کا بالعموم ہمارے یہاں رواج نہیں ہے۔

گفتگو ان موضوعات سے شروع کریں جو مثبت اور باہمی متفقہ ہوں۔ہم بالعموم اختلافی اور منفی موضوعات سے ابتدا کرتے ہیں اور پھر مثبت نتائج کی توقع رکھتے ہیں۔

مبلّغ کو تنقید سے پرہیز کرنا چاہیے۔دوسروں کی خامیاں ہماری خوبیاں نہیں بن سکتیں۔اپنی خامیوں کو دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور دوسروں کے سامنے دوسروں کی خوبیوں کو بیان کیا جانا چاہیے تا کہ معاشرے میں ایک مثبت ماحول پیدا ہو۔

اسلام کو آج کی جدید دنیا میں فروغ دینے کے لیے روایتی طریقہ تبلیغ مناسب نہیں۔آج جہاں Knowledge is Power کا سلوگن اختیار کرنا ہی ہے وہاں Speed is Power کے تصور کو بھی اپنانا ہوگا۔صحیح عقیدے کے ساتھ ہم کچھوے کی چال چل رہے ہیں جبکہ مغرب اپنے عقائد و نظریات کے ساتھ خرگوش کی تیزی سے سفر کرتا ہوا (سائنس اور ٹیکنالوجی وغیرہ کے ذریعے) ہم سے بہت آگے جا چکا ہے۔اس حوالے سے ہمیں اپنے طرزِ عمل میں بنیادی تبدیلیاں لانا ہوں گی۔

اسلامی علوم کے تحفظ کو یقینی بناتے ہوئے اس کے فروغ کے لیے علمی و فکری سطح پر اقدامات کرنا ہوں گے۔اسلام کی تعلیماتِ امن و محبت اور عدم تشدد کو اپنے موضوعات میں نمایاں حیثیت دینا ہوگی تا کہ اسلام اور مسلمانوں سے دہشت گردی و انتہا پسندی کے الزامات کو ختم کیا جا سکے۔اس ذلت اور رسوائی کے دائرے سے نکلنے کے لیے فروعات کے جھگڑوں سے نکل کر اصولوں پر متفق ہونا ہوگا۔

اسلامی تعلیمات کے فروغ کے دوران یہ امر مبلغین، واعظین اور داعیین کے پیشِ نظر رہے کہ اسلام صرف مسلمانوں کے لیے ہی مخصوص نہیں بلکہ کل کائنات کے لیے نظامِ حیات ہے لہٰذا اس کی آفاقیت، عالمگیریت اور وسعت ہمیشہ ذہن میں رہے۔اسی صورت ہم اسلام کی حقیقی تعلیمات کے فروغ میں کما حقہ کامیاب و کامران ہو سکتے ہیں۔

●●

منقبت در شان امام احمد رضا قادری بریلوی علیہ الرحمہ

بریلی والے امام اہل سنن رضا خان اعلیٰ حضرت
ہیں معجزات محمد مصطفیٰ کا فیضان اعلیٰ حضرت

بڑھا رہا ہے تمہارا رتبہ خدا ہر ایک آن اعلیٰ حضرت
عظیم ہو تم تمہیں سمجھنا نہیں ہے آسان اعلیٰ حضرت

خدا نے عرفان و آگہی کی لیاقت تامہ عطا کی
ہیں حق و باطل کے فیصلے کے عظیم میزان اعلیٰ حضرت

ورق ورق پر لگے ہیں نعت رسول ذی جاہ کے حدائق
ہے جو ہر عشق مصطفائی تمہارا دیوان اعلیٰ حضرت

کتاب و سنت سے وہ مبادی عطا کیے ہیں حضور تم نے
بھلا نہ پائیں گے اہل سنت تمہارا احسان اعلیٰ حضرت

نبی کی ہم جان جائیں عظمت کریں عقیدے کی بھی حفاظت
اسی لیے ہم کو دے گئے ہیں یہ کنز الایمان اعلیٰ حضرت

محبتوں کے عقیدتوں کے خراج کرنے کو پیش ارفقؔ
خیال و فکر سخن نے اب کے چنا ہے عنوان اعلیٰ حضرت

نتیجہ فکر: احمد رضا فہر قادری

....

عبدالحفیظ مصباحی

حضرت مِقداد بن اَسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

وہ پہلے صحابی جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے جنگ کے میدان میں گھوڑے کا استعمال فرمایا تھا اور جن کے بارے میں حضور صلی اللہ عیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے مقداد سے محبت ہے

حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کا اصل نام مقداد بن عمرو ہے۔ حضرت مقداد کے والد کا نام عمرو بن ثعلبہ تھا جو بنی بَھرَاء سے تھے۔ البتہ حضرت مقداد کو اسود بن یغوث کی طرف منسوب کیا جاتا ہے کیونکہ اس نے انہیں بچپن میں اپنا متبنیٰ بنا لیا تھا۔ اس لیے آپ مقداد بن اسود کے نام سے معروف ہو گئے۔ (سنن الترمذی: كتاب الزهد، باب مَا جَاءَ فِيْ كَرَاهِيَةِ الْمِدْحَةِ وَالْمَدَّاحِيْنَ، حدیث نمبر ۲۳۹۳/سیرت ابن ہشام: صفحہ ۱۵۱، باب ذکر ھجرۃ الاولیٰ الی ارض الحبشۃ، مطبوعہ دار ابن حزم، ۲۰۰۹ء)

حضرت مقداد کے والد عمرو بن ثعلبہ قبیلہ بَھرَاء سے تعلق رکھتے تھے جو یمن کے علاقے میں قُضَاعَہ کا ایک قبیلہ تھا۔ زمانۂ جاہلیت میں ان کے والد عمرو کے ہاتھوں کسی کا قتل ہو گیا جس وجہ سے وہ بھاگ کر حَضرِ مَوْت، جو سمندر کے کنارے عدن کے شرقی جانب یمن میں ایک علاقہ ہے وہاں چلے گئے اور وہاں کِنْدَہ قبیلے کے حلیف بن گئے جس بنا پر کِنْدِی کہلائے جانے لگے۔ وہاں ایک خاتون سے عمرو نے شادی کر لی جس سے حضرت مقداد پیدا ہوئے۔ جب حضرت مقداد بڑے ہوئے تو ان کا ابو شِمر بن حُجر کِنْدِی سے جھگڑا ہو گیا۔ انہوں نے شِمر کی ٹانگ تلوار سے کاٹ دی اور پھر مکہ بھاگ آئے اور اَسْود بن عَبْدِ یَغُوث کے حلیف بن گئے۔ حضرت مقداد نے اپنے والد کو خط لکھا تو وہ بھی پھر مکہ آ گئے۔ اسود نے حضرت مقداد کو اپنا متبنیٰ بنا لیا تھا جس وجہ سے ان کو مقداد بن اسود بھی کہا جانے لگا اور عموماً اسی نام سے مشہور ہو گئے لیکن جب آیت اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ (سورۃ الاحزاب: آیت ۶) یعنی "ان کو، بچوں کو، لے پالکوں کو بھی ان کے باپوں کے نام سے پکارو۔" تو پھر انہیں مقداد بن عمرو کہا جانے لگا لیکن شہرت مقداد بن اسود کے نام سے تھی۔ حضرت مقداد کی کنیت ابو مَعْبَد کے علاوہ ابو اسود، ابو عمر اور ابو سعید بھی بیان کی جاتی ہے۔

قبول اسلام:

حضرت مقداد کے قبولِ اسلام کا واقعہ اس طرح ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ حضرت مقداد ان سات صحابہ میں سے تھے جنہوں نے مکے میں اپنے اسلام کا سب سے پہلے اظہار کیا تھا۔ (اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ: ج ۵ ص ۲۴۳، دار الکتب العلمیہ بیروت ۲۰۰۸ء)

حضرت مقداد کی مدینہ کی طرف ہجرت کے بارے میں آتا ہے کہ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے مسلمانوں میں حضرت مقداد بھی شامل تھے۔ کچھ عرصے بعد مکہ واپس آ گئے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو اس وقت حضرت مقداد ہجرت نہ کر سکے۔ پھر وہ مکّے میں اس وقت تک رہے جب تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عُبَیْدَہ بن حارِث رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں ایک سریہ بھیجا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ غزوۂ وَدَّان سے واپس آنے پر ماہ ربیع الاول کے شروع میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک قریبی رشتہ دار عُبَیْدَۃ بن الْحارِث مُطَّلِبی کی امارت میں ساٹھ شتر سوار مہاجرین کا ایک دستہ روانہ فرمایا۔ اس مہم کی غرض بھی قریش مکہ کے حملوں کی پیش بندی تھی اور ان کو روکنا تھا۔ چنانچہ جب عُبَیْدَہ بن الحارث اور ان کے ساتھی کچھ مسافت طے کر کے ثَنِیَّۃُ الْمَرَّۃ کے پاس پہنچے تو ناگاہ کیا دیکھتے ہیں کہ قریش کے دو سو مسلح نوجوان عکرمہ بن ابوجہل (حضرت عکرمہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) کی کمان میں ڈیرہ ڈالے پڑے ہیں۔ فریقین ایک دوسرے کے سامنے ہوئے اور ایک دوسرے کے مقابلے میں کچھ تیر اندازی بھی ہوئی لیکن پھر مشرکین کا گروہ یہ خوف کھا کر کہ مسلمانوں کے پیچھے کچھ کمک چھپی ہوئی ہو گی، ان کے مقابلے سے پیچھے ہٹ گیا اور مسلمانوں نے ان کا پیچھا نہیں کیا۔ البتہ مشرکین کے لشکر میں سے دو شخص مِقْدَاد بن عَمْرو اور

عُتْبہ بن غَزْوَان، عِکْرِمہ بن ابوجہل کی کمان سے خود بخود بھاگ کر مسلمانوں کے ساتھ آملے، وہ اسی غرض سے قریش کے ساتھ نکلے تھے کہ موقع پا کر مسلمانوں میں آملیں کیونکہ وہ دل سے مسلمان تھے مگر بوجہ اپنی کم زوری کے قریش سے ڈرتے ہوئے ہجرت نہیں کر سکتے تھے اور ممکن ہے کہ اسی واقعہ نے قریش کو بددل کر دیا ہو اور انہوں نے اسے بدفال سمجھ کر پیچھے ہٹ جانے کا فیصلہ کر لیا ہو۔ تاریخ میں یہ مذکور نہیں ہے کہ قریش کا یہ لشکر جو یقیناً کوئی تجارتی قافلہ نہیں تھا اور جس کے متعلق ابن اسحاق نے جَمْعٌ عَظِيْمٌ (یعنی ایک بڑا لشکر) کے الفاظ استعمال کیے ہیں کسی خاص ارادے سے اس طرف آیا تھا لیکن یہ یقینی ہے کہ ان کی نیت بخیر نہیں تھی اور یہ خدا کا فضل تھا کہ مسلمانوں کو چوکس پا کر اور اپنے آدمیوں میں سے بعض کو مسلمانوں کی طرف جاتا دیکھ کر ان کو ہمت نہیں ہوئی اور وہ واپس لوٹ گئے اور صحابہ کو اس مہم کا یہ عملی فائدہ ہو گیا کہ دو مسلمان روحیں قریش کے ظلم سے نجات پا گئیں۔

مدینہ ہجرت کے وقت حضرت مقداد بن اسود حضرت کلثوم بن ہِدْم کے گھر ٹھہرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مقداد اور حضرت جَبَّار بن صَخْر رضی اللہ عنہما کے مابین مؤاخات قائم کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مقداد کو بنو حُدَیْلَہ، انصار کے قبیلہ خزرج کی ایک شاخ ہے ان کے محلے میں رہائش کے لیے جگہ عطا فرمائی تھی۔ حضرت اُبَی بن کَعْب رضی اللہ عنہ نے انہیں اس محلے میں رہنے کی دعوت دی تھی۔ (الطبقات الکبریٰ لابن سعد: ج ۳،ص ۸۶، داراحیاء التراث بیروت ۱۹۹۶ء)

حضرت مقداد کی شادی:

ایک دفعہ حضرت مقداد اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن نے پوچھا کہ تم شادی کیوں نہیں کرتے؟ حضرت مقداد نے کہا کہ آپ مجھ سے پوچھ رہے ہیں تو پھر اپنی بیٹی کی شادی مجھ سے کر دیں۔ اس پر حضرت عبدالرحمٰن غصّے میں آ گئے اور انہیں ڈانٹ دیا۔ حضرت مقداد نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس امر کی شکایت کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مَیں تمہاری شادی کرواتا ہوں۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت زبیر بن عبدالمطلب کی بیٹی ضباعة سے ان کی شادی کروا دی۔ (شرح الزرقانی: جلد ۵،ص ۲۱۳، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۹۹۶ء/ معجم البلدان: ج ۲،ص ۳۱۱، دارالکتب العلمیہ بیروت/ ابن ہشام: ص ۱۵۱، باب ذکر ھجرة الاولیٰ الی ارض الحبشة، دار ابن حزم ۲۰۰۹ء/ الطبقات الکبریٰ لابن سعد: ج ۳، ص ۸۵، مقداد بن عمرو، داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۹۹۶ء / الاصابہ فی تمییز الصحابہ: ج ۶،ص ۱۶۰، المقداد بن الاسود، دارالکتب العلمیہ بیروت ۲۰۰۵ء)

حضرت ضُبَاعَۃ حضرت زُبیر اور عاتکہ بنت ابی وہب کی بیٹی تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شادی حضرت مقداد سے جب کروائی تو ان کے یہاں اولاد ہوئی۔ ان کے دو بچے پیدا ہوئے کریمہ اور عبداللہ۔ عبداللہ جنگِ جمل میں حضرت عائشہ کی طرف سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ضباعہ کو خیبر میں سے چالیس وسق کھجوریں عطا کی تھیں۔ (الطبقات الکبریٰ لابن سعد: جزء ۸ فی النساء، ذکر بنات عمومة رسول اللہ،ص ۳۸، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۹۹۰ء)

چالیس وسق تقریباً ڈیڑھ سو من یا کہہ لیں کہ چھ ہزار کلو کے قریب بنتا ہے۔

(لغات الحدیث: ج ۴،ص ۴۸۷۔ ج ۲،ص ۴۸۷)

حضرت مقداد کے ایک بیٹے کا نام مَعْبَد بھی تھا۔ (الاصابہ فی تمییز الصحابہ: ج ۶،ص ۲۰۷، معبد بن مقداد، دارالکتب العلمیہ بیروت ۲۰۰۵ء)

حضرت مقداد کی بیٹی کریمہ آپ کا حلیہ بیان کرتی ہیں کہ ان کا قد لمبا اور رنگ گندمی تھا۔ پیٹ بڑا اور سر میں کثرت سے بال تھے۔ وہ اپنی داڑھی کو زرد رنگ لگایا کرتے تھے جو خوب صورت تھی۔ نہ بڑی تھی اور نہ چھوٹی تھی۔ آنکھیں سیاہ تھیں اور ابرو باریک اور لمبے تھے۔ (الطبقات الکبریٰ لابن سعد: ج ۳،ص ۸۷، داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۹۹۶ء)

دودھ پینے اور پلانے کا واقعہ:

حدیثوں میں رات کو بکری کا دودھ پینے کا جو ایک واقعہ بیان ہوتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تین شخص جو دودھ رکھتے تھے اس کا تعلق حضرت مقداد سے ہی ہے۔ وہ دودھ بھی ایک صحابی

پی گئے۔

حضرت مقداد یہ روایت کرتے ہیں کہ مَیں اور میرے دو ساتھی مدینہ ہجرت کر کے آئے اور ہمارے کان اور آنکھیں مشقت کی وجہ سے متاثر ہوگئی تھیں۔ ہم اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ پر پیش کرنے لگے کہ کسی کے ساتھ ٹھہر جائیں مگر کسی نے ہمیں قبول نہ کیا تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ آپ ہمیں اپنے گھر لے گئے تو وہاں تین بکریاں تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کا دودھ ہم سب کے لیے دوہ لیا کرو۔ ہم دودھ دوہتے اور ہم میں سے ہر شخص اپنا حصہ پی لیتا اور ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آپ کا حصہ رکھ دیتے۔ رات آپ تشریف لاتے اور اتنی آواز میں السلام علیکم کہتے کہ سونے والا بیدار نہ ہو اور جو جاگ رہا ہو وہ سن لے۔ پھر آپ مسجد تشریف لے جاتے اور نماز پڑھتے۔ پھر اپنے حصے کا دودھ لیتے اور نوش فرماتے۔ ایک رات میرے پاس شیطان آیا جبکہ میں اپنا حصہ پی چکا تھا۔ اس نے کہا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصار کے پاس جاتے ہیں اور انصار انہیں تحفہ پیش کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس گھونٹ کی (یعنی تھوڑے سے دودھ کی جو آپ کے حصے کا رکھا ہوا تھا) کوئی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ میں نے وہ حصہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے رکھا ہوا تھا، پی لیا۔

جب وہ میرے پیٹ میں چلا گیا، مَیں جان گیا کہ اب اس کے حصول کی کوئی راہ نہیں، یہ اب واپس نہیں آ سکتا تو شیطان نے مجھے نادم کیا اور کہا کہ تیرا برا ہو یہ تو نے کیا کیا! تو نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حصے کا دودھ پی لیا ہے۔ اس نے میرے دل میں وسوسہ ڈالا کہ وہ تشریف لائیں گے اور اسے نہ پائیں گے تو وہ تیرے خلاف دعا کریں گے اور تُو ہلاک ہو جائے گا اور تیری دنیا و آخرت تباہ ہو جائے گی۔ یہ خیال میرے دل میں آیا کہ دعا کریں گے تو میں ہلاک ہو جاؤں گا اور دنیا و آخرت تباہ ہو جائے گی۔ میرے اوپر ایک چادر تھی جب میں اسے اپنے پاؤں پر ڈالتا تو میرا سر باہر رہ جاتا اور جب سر پر ڈالتا تو میرے پاؤں باہر نکل جاتے اور مجھے نیند نہ آتی تھی۔ میرے دونوں ساتھی تو سو گئے تھے۔ انہوں نے وہ نہیں کیا تھا جو میں نے کیا تھا یعنی وہ دودھ پی لیا تھا۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ آپ نے السلام علیکم کہا جیسے کہا کرتے تھے۔ پھر مسجد گئے اور نماز پڑھی یعنی نفل پڑھے۔ پھر اپنے مشروب کی طرف آئے۔ دودھ کا جو گلاس رکھا ہوا تھا اس کی طرف آئے۔ اس کا ڈھکنا اٹھایا تو اس میں کچھ بھی نہیں تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کی طرف سر اٹھایا۔ میں جاگ رہا تھا۔ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ مجھے خیال آیا کہ اب آپ میرے خلاف دعا کریں گے۔ (یعنی مجھے بددعا دیں گے اور مَیں ہلاک ہو جاؤں گا۔) لیکن آپ نے فرمایا: اَللّٰهُمَّ أَطْعِمْ مَنْ أَطْعَمَنِيْ، وَأَسْقِ مَنْ أَسْقَانِيْ۔ (اے اللہ! جو مجھے کھلائے اس کو تُو کھلا اور جو مجھے پلائے تُو اس کو پلا۔) یہ سن کر مَیں نے اپنی چادر لی۔ اپنے اوپر مضبوطی سے اسے باندھا۔ جاگ تو میں رہا تھا اور چھری لے کر باہر گیا کہ یہ جو باہر بکریاں کھڑی ہیں ان میں سے جو سب سے اچھی، موٹی، صحت مند بکری ہے اس کی طرف چل پڑا کہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ذبح کروں۔ جب میں وہاں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ اس کے تھن دودھ سے بھرے ہوئے ہیں۔ پھر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کا ایک برتن لایا۔ ان کو خیال بھی نہ ہوتا تھا کہ اس میں دودھ دوہ کر اس کو بھریں گے۔ میں نے اس میں دودھ دوہا یہاں تک کہ اس کے اوپر تک جھاگ آ گئی، برتن پورا بھر گیا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا کیا تم لوگوں نے آج رات اپنے حصے کا دودھ پی لیا تھا؟ وہ کہتے ہیں مَیں نے کہا یا رسول اللہ! یہ نہ پوچھیں آپ۔ آپ یہ دودھ پئیں۔ آپ نے پیا پھر مجھے دے دیا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اَور پئیں۔ آپ نے پھر پیا۔ پھر مجھے دے دیا۔ جب مجھے محسوس ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سیر ہو گئے ہیں، آپ کا پیٹ بھر گیا ہے۔ جتنی آپ کی خوراک تھی اتنا دودھ آپ نے پی لیا ہے اور یہ بھی مجھے خیال آیا کہ میں نے اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا بھی لے لی ہے۔ (یہی دعا کی تھی ناں کہ اللہ جو مجھے پلائے اس کو پلا اور جو مجھے کھلائے اس کو کھلا۔)

حضرت مقداد آگے فرماتے ہیں کہ اب دودھ بھی پلا دیا تھا اور مَیں نے دعا بھی لے لی تو مَیں ہنس پڑا اور میں اتنا ہنسا کہ بے اختیار زمین پر جا رہا۔ (یعنی یہاں تک کہ ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو گیا۔) جب آپ نے مجھے ہنستے دیکھا تو اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا۔ اے مقداد! تیری کوئی شرارت ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ تو نے کوئی شرارت کی ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے ساتھ یوں ہوا ہے اور میں نے یہ کیا تھا۔ سارا قصہ سنا دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت ہے۔ یہ بات تو نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتائی تا کہ ہم اپنے دونوں ساتھیوں کو جگا لیتے وہ بھی اس سے پیتے۔ رحمت سے حصہ پاتے۔ میں نے کہا اس کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے جب آپ نے وہ رحمت پالی اور آپ کے ساتھ میں نے بھی وہ رحمت پالی تو اب مجھے کوئی پروا نہیں کہ لوگوں میں سے کون اسے حاصل کرتا ہے۔ مجھے تو اپنی فکر تھی کیونکہ میں نے ہی وہ جرم کیا تھا۔ (صحیح مسلم: کتاب الاشربہ، باب اکرام الضیف وفضل ایثارہ، حدیث ۵۳۶۲)

میدان جنگ میں:

حضرت مقداد نے غزواتِ بدر، احد اور خندق سمیت تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شرکت کی تھی۔ حضرت مقداد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تیر اندازوں میں سے بیان کیے جاتے ہیں۔ (الطبقات الکبریٰ لابن سعد: ج ۳،ص ۸۶، داراحیاء التراث بیروت ۱۹۹۶ء)

حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ غزوۂ بدر کے موقع پر میں نے مقداد بن اسود کی بات کا ایک ایسا منظر دیکھا کہ اگر مجھ کو حاصل ہو جاتا تو مجھے وہ ان تمام نیکیوں سے عزیز تر ہوتا جو ثواب میں اس ایک منظر کے برابر ہو۔ کہتے ہیں ہوا یوں کہ مقداد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے جبکہ آپ مشرکوں کے خلاف دعا کر رہے تھے اور کہنے لگے کہ یا رسول اللہ! ہم اس طرح نہیں کہیں گے جس طرح موسیٰ کی قوم نے کہا تھا کہ فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّکَ فَقَاتِلَا۔ وَلٰکِنَّا نُقَاتِلُ عَنْ یَمِیْنِکَ وَعَنْ شِمَالِکَ وَبَیْنَ یَدَیْکَ وَ خَلْفَکَ یعنی جا تُو اور تیرا رب دونوں جا کر لڑو۔ نہیں بلکہ ہم تو آپ کے دائیں بھی لڑیں گے بائیں بھی اور آگے بھی لڑیں گے اور پیچھے بھی۔ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ کا چہرہ چمکنے لگا اور مقداد کی اس بات نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو خوش کر دیا۔ (صحیح البخاری: کتاب المغازی، باب قول اللہ تعالیٰ اذ تستغیثون ربکم، حدیث ۳۹۵۲)

جنگِ بدر کے حوالے سے اس کی کچھ تفصیل اس طرح بیان ہوئی ہے کہ دشمن کی خبر پا کر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ارادے جاننے کے لیے کہ اگر وہ حملہ کرتے ہیں تو ان کے حملے کو روکنے کے لیے بدر کی طرف روانہ ہوئے تو رَوْحَاء کے قریب پہنچ کر آپ نے بَسْبَسْ اور عدِی نامی دو صحابیوں کو دشمن کی حرکات وسکنات کا علم حاصل کرنے کے لیے بدر کی طرف روانہ فرمایا اور حکم دیا کہ وہ بہت جلد خبر لے کر واپس آئیں۔ روحاء سے آگے روانہ ہو کر جب مسلمان وادیٔ صَفْرا کے ایک پہلو سے گزرتے ہوئے زَفْرَان میں پہنچے تو اطلاع موصول ہوئی کہ قافلے کی حفاظت کے لیے قریش کا ایک بڑا جرار لشکر مکہ سے آ رہا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر تمام صحابہ کو جمع کر کے انہیں اس کی اطلاع دی اور پھر ان سے مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ظاہری اسباب کا خیال کرتے ہوئے تو یہی بہتر ہے کہ قافلہ سے سامنا ہو۔ ہم دیکھیں کہ جو تجارتی قافلہ جا رہا ہے ان کی نیت کیا ہے یا وہ کیا چاہتے ہیں؟ کیونکہ وہ لشکر اگر جنگ کے لیے آ رہا ہے تو اس کے مقابلے کے لیے ہم ابھی پوری طرح تیار نہیں ہیں مگر آپ نے اس رائے کو پسند نہیں فرمایا۔

مدینہ سے چلتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر صحابہ کو جو آپ کے ساتھ چلے تھے، یہ معلوم نہیں تھا کہ ہم جنگ کے لیے جا رہے ہیں یا جنگ کی بھی صورت پیدا ہو سکتی ہے بلکہ ان کو یہ تھا کہ ایک قافلہ ہے اس کو دیکھتے ہیں کہ ان کی نیت کیا ہے؟ اور پھر اگر انہوں نے کوئی حملہ کیا تو چھوٹا قافلہ ہو گا اس سے لڑ لیں گے لیکن لشکر کا اور باقاعدہ جنگ کا تو مدینہ سے نکلتے ہوئے صحابہ کو خیال بھی نہیں تھا لیکن بہرحال جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تو بعض نے کہا کہ لشکر کا مقابلہ تو ہم کر نہیں سکتے اس لیے ہمیں نہیں کرنا چاہیے۔ آپ نے اس رائے کو پسند نہیں فرمایا۔

دوسری طرف اکابر صحابہ نے یہ مشورہ سنا تو اٹھ اٹھ کر جاں نثارانہ تقریریں کیں اور عرض کیا کہ ہمارے جان و مال سب خدا کے ہیں۔ ہم ہر میدان میں ہر خدمت کے لیے حاضر ہیں۔ چنانچہ مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ نے جن کا دوسرا نام مقداد بن عمرو بھی تھا جو اصل نام ہے، کہا: یا رسول اللہ! ہم موسیٰ علیہ السلام کے اصحاب کی طرح نہیں ہیں کہ آپ کو یہ جواب دیں کہ جا تُو اور تیرا خدا جا کر

لڑو ہم یہیں بیٹھے ہیں بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ آپ جہاں بھی چاہتے ہیں، چلیں، ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ ہم آپ کے دائیں اور بائیں اور آگے اور پیچھے ہوکرلڑیں گے۔ آپ نے یہ تقریر سنی تو آپ کا چہرۂ مبارک خوشی سے تمتمانے لگا مگر اس موقع پر بھی آپ انصار کے جواب کے منتظر تھے اور چاہتے تھے کہ وہ بھی کچھ بولیں کیونکہ آپ کو یہ خیال تھا کہ شاید انصار یہ سمجھتے ہوں کہ بیعتِ عقبہ کے ماتحت ہمارا فرض صرف اس قدر ہے کہ اگرعین مدینہ پر کوئی حملہ ہوتو اس کا دفاع کریں۔ چنانچہ باوجود اس قسم کی جاں نثارانہ تقریروں کے جو مہاجر صحابہ نے کیں آپ یہی فرماتے گئے کہ اچھا پھر مجھے مشورہ دو کہ کیا کیا جائے۔ حضرت سعد بن معاذ جو اوس قبیلے کے رئیس تھے ، نے آپ کے منشا کو سمجھا اور انصار کی طرف سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! شاید آپ ہماری رائے پوچھتے ہیں۔ خدا کی قسم! جب ہم آپ کو سچا سمجھ کر آپ پر ایمان لے آئے ہیں تو ہم نے اپنا ہاتھ آپ کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا ہے تو پھر اب آپ جہاں چاہیں چلیں ہم آپ کے ساتھ ہیں اور اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے اگر آپ ہمیں سمندر میں کود جانے کو کہیں تو ہم کود جائیں گے اور ہم میں سے ایک فرد بھی پیچھے نہیں رہے گا اور آپ ان شاء اللہ ہم کو لڑائی میں صابر پائیں گے اور ہم سے وہ بات دیکھیں گے جو آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈا کرے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تقریر سنی تو بہت خوش ہوئے اور فرمایا۔

سِیْرُوْا وَابْشِرُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ قَدْ وَعَدَنِیْ اِحْدَی الطَّائِفَتَیْنِ وَاللّٰہِ لَکَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی مَصَارِعِ الْقَوْمِ یعنی تو پھر اللہ کا نام لے کر آگے بڑھو اور خوش ہو کیونکہ اللہ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ کفار کے ان دو گروہوں یعنی لشکر یا قافلہ جو ہے ان میں سے کسی ایک گروہ پر وہ ہم کو ضرور غلبہ دے گا اور خدا کی قسم! میں گویا اس وقت وہ جگہیں دیکھ رہا ہوں جہاں دشمن کے آدمی قتل ہو ہو کر گریں گے۔

پھر حضرت مقداد کے بارے میں ایک یہ بھی آتا ہے کہ غزوۂ بدر میں اللہ کی راہ میں قتال کرنے والے پہلے گھڑسوار ہونے کا شرف آپ کو حاصل ہوا۔ ان کے گھوڑے کا نام سَبْحَہ تھا۔ ایک روایت کے مطابق غزوۂ بدر میں مسلمانوں کے دو گھوڑوں کا ذکر ملتا ہے۔ حضرت علی کہتے ہیں کہ بدر کے دن ہمارے پاس دو گھوڑے تھے ایک حضرت زبیر بن عوام کا تھا اور دوسرا حضرت مقداد بن اسود کا۔ ابن ہشام کے مطابق غزوۂ بدر کے دن مسلمانوں کے پاس تین گھوڑے تھے۔ حضرت مَرْثَد بن ابومرثد کے پاس گھوڑا تھا جس کا نام سَبَل تھا۔ حضرت مقداد بن عمرو کے پاس گھوڑا تھا جس کا نام بَعْزَجَہ تھا یا سَبْحَہ تھا اور حضرت زبیر بن عوام کے پاس گھوڑا تھا جس کا نام یَعْسُوب تھا۔ (الطبقات الکبریٰ لابن سعد: ج ۳، ص ۸۶، داراحیاء التراث بیروت ۱۹۹۶ء / (دلائل النبوۃ للبیہقی، ج ۳، ص ۳۹، دارالکتب العلمیہ بیروت ۲۰۰۲ء/ السیرۃ النبویہ لابن ہشام: ص ۴۵۲، اسماء خیل المسلمین یوم بدر، دارالکتب العلمیہ بیروت ۲۰۰۱ء)

حضرت مقداد بن عمرو کندی قبیلہ بنو زُہرَہ کے حلیف تھے اور ان لوگوں میں سے تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بدر میں شریک تھے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ! بتائیں اگر کفار میں سے کسی شخص سے میرا مقابلہ ہو جائے اور ہم دونوں لڑ پڑیں اور وہ میرا ایک ہاتھ تلوار سے کاٹ ڈالے اور پھر مجھ سے ایک درخت کی پناہ لے کر یہ کہے۔ پھر دوڑ جائے اور ایک درخت کے پیچھے چھپ جائے اور یہ کہے کہ میں اللہ کی خاطر مسلمان ہو گیا۔ یا رسول اللہ! کیا اب میں اسے مار ڈالوں جب کہ اس نے ایسی بات کہی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اسے قتل نہ کرو۔ حضرت مقداد نے کہا: یا رسول اللہ! اس نے میرا ایک ہاتھ کاٹ ڈالا ہے اور پھر اس کے بعد ایسا کہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے قتل نہ کرو کیونکہ اگر تم نے اسے قتل کر دیا تو وہ تمہارے اُس درجے پر ہو جائے گا جو تم کو اُس کے قتل کرنے سے پہلے حاصل تھا یعنی ایمان کا درجہ اور تم اس کے درجے پر ہو جاؤ گے جو اس کو اس کے کلمہ کے کہنے سے پہلے حاصل تھا یعنی کافر ہونے کی حالت میں جس کو اس نے کہا تھا۔ (صحیح البخاری: کتاب المغازی، باب ۱۲، حدیث ۴۰۱۹)

یہ قیاسی بات حضرت مقداد نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کی کہ اس طرح ہو کہ اس نے میرا ہاتھ بھی کاٹ دیا ہو پھر درخت کے پیچھے چھپ کے وہ کلمہ پڑھ لے اور اللہ کی خاطر کہے میں مسلمان ہو گیا ہوں تو کیا میں بدلہ لوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں۔ اگر لو گے تو وہ کافر مومن ہوگا اور تم ایمان کے باوجود اس کافر کی جگہ کھڑے

ہوگے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ قبیلہ بنوغَفّار کے ایک چرواہے کی نگرانی میں مدینے سے باہر چر رہے تھے اور اس چرواہے کی بیوی بھی ساتھ تھی۔ بنوفَزارہ کے عُیَیْنَہ بن حِصْن نے بنوغطفان کے کچھ گھڑسواروں کے ساتھ مل کر حملہ کیا اور چرواہے کو مار ڈالا اور اس کی بیوی اور اونٹوں کو ساتھ لے گئے۔ حضرت سلمہ بن اکوع کو سب سے پہلے ان لوگوں کا علم ہوا۔ ان کے ساتھ حضرت طلحہ بن عُبید گھوڑا لے کر نکلے۔ جب حضرت سلمہ ثَنِیَّۃُ الْوَدَاع (ایک وادی کا نام) پر پہنچے تو انہوں نے عُیَیْنَہ اور اس کے ساتھی کو دیکھ لیا اور مدینہ کے قریب سَلْعْ پہاڑی پر چڑھ کر مدد کے لیے پکارا جانے والا کلمہ بلند آواز سے کہا، لوگوں کو آواز دی اور کہا کہ یَا صَبَاحَاہُ!

پھر حضرت سلمہ تیر برساتے ہوئے ان کے پیچھے دوڑ پڑے اور ان کے رخ موڑ دیے۔ حضرت سَلَمہ کی مدد کی پکار سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے میں اعلان کروایا کہ دشمن کے مقابلے کے لیے نکلو تو فوراً گھڑ سوار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آنے شروع ہو گئے اور ان میں سب سے پہلے جو لبیک کہتے ہوئے آئے وہ حضرت مقداد تھے۔ (شرح الزرقانی: جلد ۲، ص ۱۶۶ تا ۱۶۹، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۹۹۶ء/ السیرۃ النبویۃ لابن ھشام: جزء ۳، ۴، ص ۱۷۴، ۱۷۵، غزوہ ذی قرد، دار الکتاب العربی بیروت ۲۰۰۸ء/ الطبقات الکبریٰ: ج ۲، ص ۶۳، باب غزوۃ رسول اللہ، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۹۹۰ء)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکے پر چڑھائی کرنے کی تیاری فرمائی تو اس مہم کو بہت پوشیدہ رکھا گیا اور باوجود اس کے کہ صحابہ اس مہم کی تیاری کر رہے تھے لیکن یہ عام نہیں تھا کہ مکے کی طرف جانا ہے۔ اس موقعے پر ایک بدری صحابی حضرت حاطِب بن بَلْتَعہ رضی اللہ عنہ نے اپنی سادگی میں مکہ سے آئی ہوئی ایک عورت کے ہاتھ ایک خفیہ خط مکہ روانہ کر دیا جس میں مکہ پر حملہ کرنے کی ساری تیاریوں کا ذکر کر دیا۔ وہ عورت خط لے کر چلی گئی تو اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دے دی۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو دو تین افراد کے ساتھ جن میں حضرت مقداد بھی شامل تھے، اس عورت کا پیچھا کرنے اور وہ خط لینے کے لیے روانہ فرمایا۔ حضرت علی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے، زبیر اور مقداد کو بھیجا اور فرمایا کہ رَوْضَۃ خَاخ جاؤ۔ وہاں ایک شتر سوار عورت ہے۔ اس کے پاس ایک خط ہے۔ اس سے وہ لے لو۔ چنانچہ ہم چل پڑے۔ ہمارے گھوڑے ہمیں لے کر سرپٹ دوڑے۔ ہم اس عورت کے پاس پہنچے تو ہم نے کہا کہ خط نکالو۔ اس نے کہا کہ میرے پاس تو کوئی خط نہیں۔ ہم نے کہا کہ تم ضرور خط نکالو گی یا تمہیں اپنے کپڑے اتارنے پڑیں گے۔ اس نے وہ اپنے بالوں کے جُوڑے سے نکالا تو ہم اس خط کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے جو ان صحابی نے کافروں کے نام لکھا تھا۔ لکھا تو اپنی سادہ لوحی کی وجہ سے تھا لیکن یہ بڑا اہم معاملہ تھا اور اسے خفیہ رکھنا ضروری تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کی سادہ لوحی کی وجہ سے انہیں معاف فرما دیا۔ (صحیح مسلم: کتاب فضائل الصحابہ، باب من فضائل اہل بدر رضی اللہ عنہم وقصۃ حاطب بن ابی بلتعہ، حدیث ۲۴۹۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سَرِیہ بھیجا تھا، اس پر حضرت مقداد کو امیر بنایا تھا۔ جب وہ واپس آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اے ابومعبد! تُو نے امارت کے منصب کو کیسا پایا تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں جب نکلا تو میری یہ حالت ہوئی کہ میں دوسرے لوگوں کو اپنا غلام تصور کر رہا تھا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ اے ابومعبد! امارت اسی طرح ہے سوائے اس کے کہ جسے اللہ تعالیٰ اس کے شر سے محفوظ رکھے۔ حضرت مقداد نے عرض کیا: کوئی شک نہیں۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ نبی بنا کر بھیجا ہے! میں دو آدمیوں پر بھی نگران بننا پسند نہ کروں گا۔ (الاصابہ فی تمییز الصحابہ: ج ۶، ص ۲۰۷، ۲۰۸، معبد بن مقداد، دار الکتب العلمیہ بیروت ۲۰۰۵ء)

یہ تقویٰ کا معیار تھا ان لوگوں کا کہ افسر بننے سے تکبّر پیدا ہو سکتا ہے اس لیے میں پسند نہیں کرتا کہ دو آدمی بھی میرے ماتحت ہوں۔ ہمارے سب افسروں کو بھی ہمیشہ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اول تو خواہش نہیں کرنی اور جب افسر بنایا جائے، عہدہ دیا جائے تو اللہ تعالیٰ سے اس عہدے کے شر سے بچنے کی دعا بھی مانگنی چاہیے اور اللہ تعالیٰ کبھی تکبر پیدا نہ کرے اور اس کا فضل مانگنا چاہیے۔

حضرت مقداد حمص کے محاصرے میں بھی حضرت ابوعُبَیدہ بن جَرّاح کے ساتھ تھے۔ (تاریخ الطبری: ج ۴،ص ۱۸۵، ذکر فتح حمص، دارالفکر للطباعہ والنشر والتوزیع بیروت ۲۰۰۲ء)

حضرت مقداد نے مصر کی فتح میں بھی حصہ لیا۔ (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب: ج ۴،ص ۴۳،دارالکتب العلمیہ بیروت ۲۰۰۲ء)

۲۰ ہجری میں جب مصر پر فوج کشی ہوئی اور حضرت عمرو بن عاص امیرِ عسکر نے دربارِ خلافت سے مزید کمک طلب کی تو حضرت عمر نے دس ہزار سپاہی اور چار افسر جن میں سے ایک حضرت مقداد بھی تھے، ان کی مدد کے لیے روانہ فرمائے اور لکھا کہ ان افسروں میں سے ہر ایک دشمن کے ایک ہزار سپاہیوں کے برابر ہے۔ چنانچہ درحقیقت اس کمک کے پہنچتے ہی جنگ کی حالت بدل گئی اور نہایت قلیل عرصے میں تمام سرزمین جو فرعون کی زمین تھی توحید کا ورثہ بن گئی۔ (سیر الصحابہ: ج ۲،ص ۲۸۶،حضرت مقداد بن عمرو، دارالاشاعت کراچی ۲۰۰۴ء)

حضرت مقداد کا جسم بھاری بھرکم تھا لیکن اس کے باوجود جہاد کے لیے نکلتے تھے۔ ایک دفعہ کسی سنار کے صندوق کے پاس بیٹھے تھے تو حضرت مقداد صندوق سے بھی بڑے نظر آرہے تھے۔ کسی نے ان سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جہاد سے معذور فرمایا ہے۔ کافی جسیم ہیں اور جیسا کہ ان کی بیٹی نے بتایا ہے کہ پیٹ بڑا تھا۔ حضرت مقداد نے جواب دیا کہ مجھ پر سورہ بَحُوث۔ (بَحُوث سورہ توبہ کا بھی دوسرا نام ہے کیونکہ اس سورت میں منافقین اور ان کے رازوں کو کھولا گیا ہے۔) کہتے ہیں مجھے اس سورت نے لازم قرار دیا ہے کہ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا (التوبہ: آیت ۴۱) کہ جہاد کے لیے نکلو خواہ ہلکے ہو یا بھاری ہو۔ (الطبقات الکبریٰ لابن سعد: ج ۳،ص ۸۷، داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۹۹۶ء)

حضرت مقداد نے اس آیت سے کیونکہ کئی معنی ہیں اس کے جسم کا ہلکا ہونا اور بھاری ہونا مراد لے کر اپنے شوقِ جہاد کا بھی اظہار کیا۔

مال و اسباب:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مقداد کو خیبر کی پیداوار میں سے پندرہ وسق جَو سالانہ عطا فرمایا تھا جو اندازاً سوا چھپن من جَو سالانہ بنتا ہے۔ یہ بعد میں حضرت معاویہ بن ابوسفیان کے ہاتھ ایک لاکھ درہم میں فروخت کیا گیا تھا۔ (الطبقات الکبریٰ لابن سعد: ج ۳،ص ۸۶،داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۹۹۶ء)

یہ سالانہ مستقل آمد تھی اور ہوسکتا ہے کہ چند سالوں کی پیداوار یا مستقل پیداوار فروخت کی ہو کیونکہ صرف چھپن من کی تو اتنی زیادہ قیمت نہیں ہوسکتی۔ جنگ یرموک میں بھی حضرت مقداد نے شرکت کی تھی اور اس جنگ میں قاری حضرت مقداد تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر کے بعد یہ سنت جاری فرمائی تھی کہ جنگ کے وقت سورۂ انفال کی تلاوت کی جاتی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بھی لوگ اس بات پر عمل کرتے رہے۔ (تاریخ الطبری: ج ۴،ص ۵۹، دارالفکر بیروت ۲۰۰۲ء)

حضرت مقداد سے روایت ہے کہ وہ ایک روز قضائے حاجت کے لیے بقیع کی طرف گئے جو قبرستان ہے۔ لوگ اس وقت دو تین روز بعد قضائے حاجت کے لیے جایا کرتے تھے اور وہ قضائے حاجت کے لیے ایک ویرانے میں داخل ہوئے اور اس دوران میں کیونکہ کھانا بہت کم ہوتا تھا اور پاخانہ بھی اونٹ کی مینگنیوں کی طرح ہوتا تھا۔ قضائے حاجت کے لیے بیٹھے ہوئے تھے کہ انہوں نے ایک چوہا دیکھا جس نے بِل میں سے ایک دینار نکالا۔ پھر اندر گیا اور ایک اَور دینار نکالا حتیٰ کہ اس نے سترہ دینار نکالے۔ اس کے بعد ایک سرخ رنگ کا کپڑا نکالا۔ حضرت مقدادؓ کہتے ہیں کہ میں نے اس کپڑے کو کھینچا تو اس میں ایک دینار پایا۔ اس طرح اٹھارہ دینار ہو گئے۔ پھر میں ان کو لے کر نکلا اور انہیں لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کو ساری بات بتائی اور عرض کیا یا رسول اللہ! اس کا صدقہ لے لیجیے۔ آپ نے فرمایا: اس کا کوئی صدقہ نہیں ہے، انہیں لے جاؤ، اللہ تعالیٰ ان میں تمہارے لیے برکت ڈال دے۔ پھر آپ نے فرمایا: شاید تم نے اس سوراخ میں ہاتھ ڈالا ہوگا۔ میں نے عرض کیا کہ نہیں اس خدا کی قسم جس نے آپ کو حق کے ذریعہ عزت بخشی ہے، میں نے ہاتھ نہیں ڈالا تھا بلکہ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے میرے لیے انتظام کر دیا۔

(سنن ابن ماجہ: کتاب اللقطہ، باب اِلْتِقَاطُ مَا اَخْرَجَ الْجُرَذُ، حدیث ۲۵۰۸)

حضرت مقداد کے فضائل:

ابنِ بُرَیْدَہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے مجھے چار سے محبت کرنے کا حکم دیا ہے اور مجھے بتایا گیا ہے کہ وہ بھی ان سے محبت کرتا ہے۔ سوال کیا گیا کہ یا رسول اللہ! وہ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: علی ان میں سے ہیں۔ یہ آپ نے تین بار فرمایا اور پھر ابوذر، پھر سلمان اور مقداد ہیں۔ (سنن ابن ماجہ: مقدمہ المؤلف، باب فضل سلمان وأبی ذر والمقداد، حدیث ۱۴۹)

حضرت علی سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نبی کو سات سات نجیب رفقا دیے گئے ہیں (راوی کہتے ہیں کہ یا آپ نے رفقا کے بجائے نگران کا لفظ استعمال فرمایا تھا) لیکن مجھے چودہ عطا کیے گئے ہیں۔ ہم نے عرض کیا کہ وہ کون ہیں تو آپ نے فرمایا کہ علی، علی کے دو بیٹے حسن اور حسین، جعفر، حمزہ، ابوبکر، عمر، مصعب بن عمیر، بلال، سلمان، عمار، مقداد، حذیفہ، ابوذر اور عبداللہ بن مسعود۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین) (سنن الترمذی: کتاب المناقب باب ان الحسن والحسین سیدا شباب اھل الجنۃ، حدیث ۳۷۸۵)

قرآن کریم میں ہے: وَلَا تَطْرُدِ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْھَهٗ مَا عَلَیْکَ مِنْ حِسَابِھِمْ مِّنْ شَیْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِکَ عَلَیْھِمْ مِّنْ شَیْءٍ فَتَطْرُدَھُمْ فَتَکُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔ (الانعام: آیت ۵۳) اور تو ان لوگوں کو نہ دھتکار جو اپنے رب کو اس کی رضا چاہتے ہوئے صبح وشام پکارتے ہیں۔ تیرے ذمہ ان کا کچھ بھی حساب نہیں اور نہ ہی تیرا کچھ حساب ان کے ذمہ ہے۔ پس اگر پھر بھی تو انہیں دھتکار دے گا تو تو ظالموں میں سے ہو جائے گا۔

حضرت سعد اس آیت کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت چھ اشخاص کے بارے میں نازل ہوئی۔ ان میں خود یعنی حضرت سعد، ابن مسعود، صہیب، عمار، مقداد اور بلال ہیں۔ حضرت سعد نے کہا کہ قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ہم اس بات پر راضی نہیں ہیں کہ ان لوگوں کے تابع ہوں تو تم انہیں اپنے پاس سے دھتکار دو۔ چنانچہ اس وقت اللہ عزّ وجل نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (سنن ابن ماجہ: کتاب الزھد، حدیث ۴۱۲۸)

بہرحال اس آیت کی وجہ جو بھی تھی لیکن یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی جواب دیا۔

ایک روایت کے مطابق حضرت مقداد پہلے صحابی تھے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں گھوڑے پر لڑائی میں حصہ لیا۔ (الاصابہ فی تمییز الصحابہ: ج۶ ص۱۶۰، المقداد بن الاسود، دارالکتب العلمیہ بیروت ۲۰۰۵ء)

حضرت انس کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کے قرآن پڑھنے کی آواز سنی جو اونچی آواز میں تلاوت کر رہا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ خشیت الٰہی رکھنے والا انسان ہے۔ وہ حضرت مقداد بن عمرو تھے۔ (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب: ج۴ ص۴۴، دارالکتب العلمیہ بیروت ۲۰۰۲ء)

حضرت مقداد کا وصال:

حضرت مقداد کا پیٹ بہت زیادہ بڑھا ہوا تھا۔ ان کا ایک رومی غلام تھا وہ ان سے کہنے لگا کہ میں آپ کے پیٹ کو کاٹ کر چربی نکال دوں گا (اس زمانے میں جو بھی آپریشن کا طریقہ تھا) اس سے وہ ہلکا ہو جائے گا۔ آج کل بھی لوگ کرتے ہیں۔ چنانچہ اس نے حضرت مقداد کا پیٹ چاک کیا اور چربی نکال کر دوبارہ سی دیا لیکن اس وجہ سے حضرت مقداد کی وفات ہو گئی۔ کوئی انفیکشن وغیرہ ہو گیا۔ ٹھیک نہیں ہو سکے۔ بہرحال وہ غلام یہ دیکھ کے پھر وہاں سے بھاگ گیا۔ (الاصابہ فی تمییز الصحابہ: ج۶ ص۱۶۱، دارالکتب العلمیہ بیروت ۲۰۰۵ء)

لیکن ایک اور روایت کے مطابق حضرت مقداد کی وفات دُھْنُ الْخِرْوَعْ یعنی کیسٹر آئل پینے کی وجہ سے ہوئی تھی۔ حضرت مقداد کی بیٹی کریمہ کہتی ہیں کہ حضرت مقداد کی وفات مدینے سے تین میل کے فاصلے پر جُرُف مقام پر ہوئی۔ وہاں سے ان کی نعش کو لوگوں کے کندھوں پر اٹھا کر مدینے لایا گیا۔ حضرت عثمان نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں انہیں دفن کیا گیا۔ تینتیس ہجری میں حضرت مقداد کی وفات ہوئی تھی۔ وفات کے وقت ان کی عمر ستر سال یا اس کے قریب تھی۔ (الطبقات الکبریٰ لابن سعد: ج۳ ص۸۷، داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۹۹۶ء)

● ●

مولانا شہزاد قادری ترابی

جاہلانہ رسومات و بدعات اور امام احمد رضا

جب ہم امام احمد رضا فاضل بریلوی کی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ ان پر بدعات کو فروغ دینے کا الزام نہ صرف یہ کہ غلط ہے بلکہ سراسر ان سے عدم واقفیت کا نتیجہ ہے

امام احمد رضا خان محدث بریلی علیہ الرحمہ کے بارے میں ایک عام غلط فہمی یہ پائی جاتی ہے کہ ان کی وجہ سے برصغیر پاک و ہند میں بدعات کو فروغ حاصل ہوا اور دین میں ایسی نئی نئی باتیں پیدا ہوئیں جن سے شارع علیہ السلام کا دور کا بھی واسطہ نہیں رہا لیکن جب ہم امام احمد رضا علیہ الرحمہ کی تحریروں اور خاص طور پر ان کے فتاویٰ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ بدعات کو فروغ دینے کا الزام نہ صرف یہ کہ غلط ہے بلکہ سراسر ان سے عدم واقفیت کا نتیجہ ہے۔

کھلے ذہن و دماغ کے ساتھ امام اہل سنت علیہ الرحمہ کی تحریروں اور فتاویٰ کے مطالعہ سے امام اہل سنت کی جو تصویر ہمارے سامنے آتی ہے وہ ایک ایسے داعی اور دینی رہنما کی ہے جس نے اپنے زمانے میں شدت کے ساتھ اور باضابطہ طور پر بدعات و منکرات کے خلاف تحریک چلا رکھی تھی اور اپنے مخصوص مزاج کے مطابق ان کے خلاف بڑے ہی سخت الفاظ استعمال کیے ہیں لہٰذا ہم اس کتاب میں ان تمام غیر شرعی رسومات اور وہ خرافات جن کی نسبت امام احمد رضا خان محدث بریلی علیہ الرحمہ کی طرف جاتی ہے، آپ ہی کی کتب سے اس کی مخالفت ثابت کریں گے تاکہ عام مسلمانوں پر یہ واضح ہو جائے کہ ان تمام خرافات اور بدعات کا امام احمد رضا علیہ الرحمہ اور ان کے سچے مسلک سے کوئی تعلق نہیں۔

آج بھی ان کے بتائے ہوئے طریقوں پر چلنے کی کوشش کی جائے تو معاشرے میں نکھار آ سکتا ہے۔ بدعات و منکرات کی بیخ کنی کے لیے تصنیفات امام احمد رضا علیہ الرحمہ سے ہمیں بہت کچھ مل سکتا ہے۔ آپ نے یہی پیغام دیا اور ہر موڑ پر اسلامی احکام کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنا سفر شوق آگے بڑھانے کی تلقین فرمائی۔

فرضی مزار بنانا اور اس پر چادر چڑھانا:

امام اہل سنت امام احمد رضا خان محدث بریلی علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں سوال کیا گیا:

مسئلہ: کسی ولی کا مزار شریف فرضی بنانا اور اس پر چادر وغیرہ چڑھانا اور اس پر فاتحہ پڑھنا اور اصل مزار کا سا ادب و لحاظ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر کوئی مرشد اپنے مریدوں کے واسطے بنانے اپنے فرضی مزار کے خواب میں اجازت دے تو وہ قول مقبول ہوگا یا نہیں؟

الجواب: فرضی مزار بنانا اور اس کے ساتھ اصل کا سا معاملہ کرنا ناجائز و بدعت ہے اور خواب کی باتیں خلاف شرع امور میں مسموع نہیں ہوسکتی۔(فتاویٰ رضویہ جدید: ج۹،ص ۴۲۵، مطبوعہ جامعہ نظامیہ لاہور)

سوئم کے چنے کون تناول کر سکتا ہے؟

امام اہل سنت امام احمد رضا خان محدث بریلی علیہ الرحمہ نے سوئم کے چنوں اور طعام میت سے متعلق ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ یہ چیزیں غنی نہ لے، فقیر لے اور وہ جو، ان کا منتظر رہتا ہے، ان کے نہ ملنے سے ناخوش ہوتا ہے، اس کا قلب سیاہ ہوتا ہے۔ مشرک یا چمار کو اس کا دینا گناہ گناہ ہے جبکہ فقیر لے کر خود کھائے اور غنی لے ہی نہیں اور لے لیے ہوں تو مسلمان فقیر کو دے دے۔ یہ حکم عام فاتحہ کا ہے۔ نیاز اولیائے کرام طعام موت نہیں، وہ تبرک ہے، فقیر و غنی سب لیں جبکہ مانی ہوئی نذر بطور نذر شرعی نہ ہو۔ شرعی نذر پھر غیر فقیر کو جائز نہیں۔(فتاویٰ رضویہ: جلد چہارم)

ایک اور جگہ یوں فرمایا: میت کے یہاں جو لوگ جمع ہوتے ہیں اور ان کی دعوت کی جاتی ہے، اس کھانے کی تو ہر طرح ممانعت ہے اور بغیر دعوت کے جمعراتوں، چالیسویں، چھ ماہی، برسی میں جو بھاجی کی طرح اغنیا کو بانٹا جاتا ہے وہ بھی اگر چہ بے معنی ہے مگر اس کا کھانا منع نہیں۔ بہتر ہے کہ غنی نہ کھائے۔(فتاویٰ رضویہ)

جعلی عاملوں کا فال کھولنا:

جگہ جگہ سڑکوں اور فٹ پاتھوں پر جعلی عاملوں کا ایک گروہ سرگرم عمل ہے جو الٹے سیدھے فال نامے نکال کر عوام کے عقائد کو متزلزل کرتے ہیں۔ سادہ لوح مسلمانوں کی جیبیں خالی کروائی جاتی ہیں۔ پھر یہ سب اہل سنت کے کھاتے میں ڈال دیا جاتا ہے مگر اہل سنت کے امام اپنی کتاب میں مسلمانوں کی اصلاح اس طرح فرماتے ہیں۔

سوال: فال کیا ہے؟ جائز ہے یا نہیں؟ سعدی وحافظ وغیرہ کے فالنامے صحیح ہیں یا نہیں؟

جواب: امام اہل سنت امام احمد رضا خان محدث بریلی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: فال ایک قسم کا استخارہ ہے۔ استخارے کی اصل کتب احادیث میں بکثرت موجود ہے مگر یہ فالنامے جو عوام میں مشہور اور اکابر کی طرف منسوب ہیں، بے اصل و باطل ہیں اور قرآن عظیم سے فال کھولنا منع ہے اور دیوان حافظ وغیرہ سے بطور تفاؤل جائز ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جدید: ج ۲۳، ص ۳۷۲، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

جاہل پیر کا مرید ہونا:

موجودہ دور میں ہر جانب جاہل پیروں اور جعلی صوفیوں کا ڈیرہ ہے۔ نادان لوگ ان کے پاس جاتے ہیں اور اپنا مال ان پر لٹاتے ہیں پھر جب ہوش آتا ہے تو چیخ اٹھتے ہیں کہ پیر صاحب نے ہمیں لوٹ لیا۔ ہمارا مال کھالیا۔ ہماری عزت پامال کردی اسی لیے امام اہل سنت امام احمد رضا خان محدث بریلی علیہ الرحمہ نے جاہل فقیر و پیر سے بیعت کرنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ ہمیشہ سنی صحیح العقیدہ عالم اور پابند شریعت پیر سے بیعت کی جائے چنانچہ امام اہل سنت امام احمد رضا خان محدث بریلی علیہ الرحمہ سے پوچھا گیا کہ جاہل فقیر کا مرید ہونا شیطان کا مرید ہونا ہے؟

آپ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ جاہل فقیر کا مرید ہونا شیطان کا مرید ہونا ہے۔ (ملفوظات شریف: ص ۲۹۷، مکتبۃ المدینہ کراچی)

بیعت کے چار شرائط ہیں:

بیعت اس شخص سے کرنا چاہیے جس میں چار باتیں ہوں ورنہ بیعت جائز نہ ہوگی۔

(۱) سنی صحیح العقیدہ ہو۔

(۲) کم از کم اتنا علم ضروری ہے کہ بلا کسی کی امداد کے اپنی ضرورت کے مسائل کتاب سے خود نکال سکے۔

(۳) اس کا سلسلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل (یعنی ملا ہوا) ہو، منقطع (یعنی ٹوٹا ہوا) نہ ہو۔

(۴) فاسق معلن نہ ہو۔

تانبے اور پیتل کے تعویذ:

امام اہل سنت امام احمد رضا خان محدث بریلی علیہ الرحمہ سے پوچھا گیا کہ تانبے، پیتل کے تعویذوں کا کیا حکم ہے؟

آپ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ تانبے اور پیتل کے تعویذ مرد و عورت دونوں کو مکروہ اور سونے چاندی تعویذ کے مرد کو حرام، عورت کو جائز ہیں۔ (ملفوظات شریف: ص ۳۲۸، مکتبۃ المدینہ کراچی)

امام ضامن کا پیسہ:

آج کل ایک رواج چل پڑا ہے کہ جب بھی کوئی شخص سفر میں جاتا ہے یا کسی کی جان کی حفاظت مقصود ہوتی ہے تو عورتیں اس کے بازو پر ایک سکہ کپڑے میں لپیٹ کر باندھ دیتی ہیں اور اس کا نام ''امام ضامن'' رکھا گیا ہے جو کہ بالکل خود ساختہ کام ہے نہ اس کی کوئی اصل ہے نہ کہیں اس کا حکم دیا گیا ہے۔ بعض بدلگام لوگ اس کو بھی اہل سنت کے کھاتے میں ڈال دیتے ہیں اور کہتے ہیں یہ بریلویوں کے امام کا کام ہے حالانکہ امام اہل سنت امام احمد رضا خان محدث بریلی علیہ الرحمہ کا اس کام سے کوئی واسطہ نہیں بلکہ امام اہل سنت امام احمد رضا خان محدث بریلی علیہ الرحمہ سے پوچھا گیا کہ کیا امام ضامن کا جو پیسہ باندھا جاتا ہے۔ اس کی کوئی اصل ہے؟

آپ نے ارشاد فرمایا کہ کچھ نہیں۔ (ملفوظات شریف: ص ۳۲۸، مکتبۃ المدینہ کراچی)

فرائض کو چھوڑ کر نفل بجالانا:

وقت کے امام پر ایک الزام یہ بھی لگایا جاتا ہے کہ انہوں نے اس اُمتّ کو مستحبات اور نوافل میں لگا دیا۔ فرائض کی اہمیت کو فراموش کیا گیا حالانکہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان محدث بریلی علیہ الرحمہ کے فتاوے اور ان کی کتابوں کا اگر کوئی تعصب کی عینک اتار کر مطالعہ کرے تو وہ بے ساختہ بول اٹھے گا کہ امام اہل سنت امام احمد رضا خان محدث بریلی علیہ الرحمہ اسلامی عقائد کے ترجمان تھے چنانچہ:

امام اہل سنت امام احمد رضا خان محدث بریلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ابو محمد عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب مستطاب فتوح الغیب میں کیا کیا جگر شگاف مثالیں ایسے شخص کے لیے ارشاد فرمائی ہیں جو فرض چھوڑ کر نفل بجالائے۔ اس کتاب میں فرمایا کہ اگر فرائض کی ادائیگی سے قبل سنن و نوافل میں مشغول ہو تو سنن و نوافل قبول نہیں ہوتیں بلکہ موجب اہانت ہوتی ہیں: (اعزالا کتناہ فی صدقۃ مانع الزکوۃ: مطبوعہ بریلی، ص ۱۰، ۱۱)

طریقت کی اصل تعریف:

جاہل لوگوں نے مسلک اہل سنت کو بدنام کرنے کے لیے جہالت کا نام طریقت رکھ دیا۔ چرس، بھنگ، ناچ گانے، سٹے کے نمبر بتانے والوں اور جعلی عاملوں کا نام طریقت رکھ دیا اور معاذ اللہ یہ بہتان اعلیٰ حضرت امام اہل سنت امام احمد رضا خان محدث بریلی علیہ الرحمہ پر لگایا جاتا ہے کہ یہ انہوں نے سکھایا ہے۔ امام اہل سنت کی تعلیمات کا مطالعہ کیا جائے تو حقیقت سامنے آجاتی ہے چنانچہ:

امام اہل سنت امام احمد رضا خان محدث بریلی علیہ الرحمہ ارشاد فرماتے ہیں کہ طریقت نام ہے ''وصول الی اللہ کا'' محض جنون و جہالت ہے دو حرف پڑھا ہوا جانتا ہے طریق طریقہ طریقت راہ کو کہتے ہیں نہ کہ پہنچ جانے کو۔ تو یقیناً طریقت بھی راہ ہی کا نام ہے۔ اب اگر وہ شریعت سے جدا ہو تو بشارت قرآن عظیم خدا تعالیٰ تک نہ پہنچائے گی بلکہ شیطان تک لے جائے گی، جنت میں نہ لے جائے گی بلکہ جہنم میں کہ شریعت کے سوا سب راہوں کو قرآن عظیم باطل و مردود فرما چکا (مقال العفاء باعزاز شرع و علما: مطبوعہ کراچی، ص ۷)

مرد کا بال بڑھانا

امام اہل سنت امام احمد رضا خان محدث بریلی علیہ الرحمہ سے پوچھا گیا کہ اکثر بال بڑھانے والے لوگ حضرت گیسو دراز کو دلیل لاتے ہیں۔

آپ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ جہالت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بکثرت احادیث صحیحہ میں ان مردوں پر لعنت فرمائی ہے جو عورتوں سے مشابہت پیدا کریں اور عورتوں پر جو مردوں سے۔ (صحیح بخاری: کتاب اللباس۔ حدیث ۵۸۸۵)

اور تشبہ کے لیے ہر بات میں پوری وضع بنانا ضروری نہیں (صرف) ایک ہی بات میں مشابہت کافی ہے (ملفوظات شریف: ص ۲۹۷، مکتبۃ المدینہ کراچی)

مرد کو چوٹی رکھنا حرام ہے:

امام اہل سنت امام احمد رضا خان محدث بریلی علیہ الرحمہ سے پوچھا گیا کہ مرد کو چوٹی رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض فقیر رکھتے ہیں۔

آپ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ حرام ہے۔ حدیث شریف میں فرمایا: اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے ایسے مردوں پر جو عورتوں سے مشابہت رکھیں اور ایسی عورتوں پر جو مردوں سے مشابہت پیدا کریں۔ (مسند احمد بن حنبل: ج ۱، ص ۷۲۷، حدیث ۳۱۵۱)

(ملفوظات شریف: ص ۲۸۱، مکتبۃ المدینہ کراچی)

اللہ تعالیٰ کو عاشق اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معشوق کہنا ناجائز ہے؟

سوال: اللہ تعالیٰ کو عاشق اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا معشوق کہنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: امام اہل سنت امام احمد رضا خان محدث بریلی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ناجائز ہے کہ معنی عشق اللہ تعالیٰ کے حق میں محال قطعی ہیں اور ایسا لفظ بے ورود ثبوت شرعی اللہ تعالیٰ کی شان میں بولنا ممنوع قطعی (فتاویٰ رضویہ جدید: ج ۲۱، ص ۱۱۴، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور)

مدینہ طیبہ کو یثرب کہنا ناجائز و گناہ ہے:

سوال: کیا حکم شرع شریف کا اس بارے میں کہ مدینہ شریف کو ''یثرب'' کہنا جائز ہے یا نہیں؟ جو شخص یہ لفظ کہے اس کی نسبت کیا حکم ہے؟

جواب: امام اہل سنت امام احمد رضا خان محدث بریلی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: مدینہ طیبہ کو یثرب کہنا ناجائز و ممنوع و گناہ ہے اور کہنے والا گنہگار۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جو مدینہ کو یثرب کہے اس پر توبہ واجب ہے۔ مدینہ طابہ ہے مدینہ طابہ ہے۔ (اسے امام احمد نے بسند صحیح براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا)

(مسند امام احمد بن حنبل: ج ۴، ص ۲۸۵، المکتب الاسلامی بیروت)

(فتاویٰ رضویہ جدید: ج ۲۱، ص ۱۱۶، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

مدینہ منورہ، مکۃ المکرمہ سے بھی افضل ہے:

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مزار اقدس بلکہ مدینہ طیبہ عرش

وکرسی وکعبہ شریف سے افضل ہے یا نہیں؟

الجواب: امام اہل سنت امام احمد رضا خان محدث بریلی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: تربت اطہر یعنی وہ زمین کہ جسم انور سے متصل ہے کعبہ معظّمہ بلکہ عرش سے بھی افضل ہے (مسلک متقسط مع ارشاد الساری: باب زیارۃ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم، ص۳۳۶، دارالکتاب العربی بیروت)

باقی مزار شریف کا بالائی حصہ اس میں داخل نہیں کہ کعبہ معظّمہ مدینہ طیبہ سے افضل ہے۔ ہاں اس میں اختلاف ہے کہ مدینہ طیبہ سوائے موضع تربت اطہر اور مکہ معظّمہ سوائے کعبہ مکرمہ، ان دونوں میں کون افضل ہے۔ اکثر جانب ثانی ہیں اور اپنا مسلک اول اور یہی مذہب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ہے۔

طبرانی شریف کی حدیث شریف میں تصریح ہے کہ مدینہ منورہ مکہ مکرمہ سے افضل ہے: (المعجم الکبیر للطبرانی: ج ۴، ص ۲۸۸، حدیث ۴۴۵۰، المکتبہ الفیصلیہ بیروت)

(فتاویٰ رضویہ جدید: ج ۱۰، ص ۱۱۷، جامعہ نظامیہ لاہور پنجاب)

حرام مال پر نیاز دینا نراوبال ہے:

امام اہل سنت امام احمد رضا خان محدث بریلی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جو شخص حرام مال پر نیاز دیتا ہے اور کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبول فرمالیتے ہیں اس شخص کا یہ قول غلط صریح و باطل قبیح اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر افترائے فضیح ہے۔

زنہار مال حرام قابل قبول نہیں، نہ اسے راہ خدا میں صرف کرنا روا، نہ اس پر ثواب ہے بلکہ نراوبال ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جدید: ج ۲۱ ،ص ۱۰۵، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

جاہلانہ رسم:

سوال: یہ جو بعض جہلا غرض ڈورے کیا کرتے ہیں اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ خاتون جنت ہر کسی گھر ماہ ساون بھادوں میں جایا کرتی اور ایک ایک ڈورا ان کے کان میں باندھ کر یہ کہا کرتیں کہ پوریاں پکا کر فاتحہ دلا کر لانا۔ اس کی کچھ سند ہے یا واہیات ہے؟

جواب: امام اہل سنت امام احمد رضا خان محدث بریلی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں یہ ڈوروں کی رسم محض بے اصل و مردود ہے اور حضرت خاتون جنت کی طرف اس کی نسبت محض جھوٹ برا افترا ہے۔

(فتاویٰ رضویہ جدید: ج ۲۳، ص ۲۷۲، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور)

ماہ صفر المظفر منحوس نہیں:

عوام میں بیماری پھیلی ہوئی ہے کہ ماہ صفر المظفر منحوس ہے، اس میں بلائیں اترتی ہیں، اس ماہ میں کوئی خوشی کی تقریب منعقد نہ کی جائے خصوصا شروع ماہ کی تیرہ تاریخوں میں اور آخری تاریخوں میں۔۔۔

سوال: اکثر لوگ ۳، ۱۳ یا ۲۳، ۸، ۱۸، ۲۸ وغیرہ تواریخ اور پنج شنبہ و یکشنبہ و چہارشنبہ وغیرہ ایام کو شادی وغیرہ نہیں کرتے۔ اعتقاد یہ ہے کہ سخت نقصان پہنچے گا ان کا کیا حکم ہے؟

جواب: امام اہل سنت امام احمد رضا خان محدث بریلی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ یہ سب باطل و بے اصل ہے (فتاویٰ رضویہ جدید: ج ۲۳، ص ۲۷۲، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور)

آخری بدھ کی شرعی حیثیت:

امام اہل سنت امام احمد رضا خان محدث بریلی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ماہ صفر المظفر کی آخری بدھ کی کوئی اصل نہیں۔ نہ اس دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحت یابی کا کوئی ثبوت ہے بلکہ مرض اقدس جس میں وصال شریف ہوا، اس کی ابتدا اسی دن سے بتائی جاتی ہے اور ایک حدیث مرفوع میں آیا ہے ابتلائے ایوب علیہ السلام اسی دن تھی۔ (فتاویٰ رضویہ: ج ۱۰، ص ۱۱۷)

یزید کے لیے مغفرت والی نماز کی روایت بے اصل ہے:

سوال: بعد سلام مسنون معروض خدمت ہوں کہ نماز غفیرا کی بابت میں ذکر الشہادتین دیکھا ہے کہ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے یزید کو واسطے مغفرت کی بتائی تھی۔ مجھے اس نماز کی تلاش ہے۔ میں پڑھنا چاہتی ہوں۔ براہ مہربانی اس مسئلے پر التفات مبذول فرما کر ترتیب نماز سے اطلاع دیجیے؟

جواب: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ و برکاتہ۔ یہ روایت محض بے اصل ہے۔ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے کوئی نماز یزید پلید کی مغفرت کے لیے اس کو تعلیم نہ فرمائی۔ (فتاویٰ رضویہ جدید: ج ۲۸، ص ۵۲، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور)

●●

مولانا محمد عمران حنفی نجمی

خطبۂ جمعہ

آفاقی پیغام کی نشر و اشاعت کا لازوال میڈیا، لیکن افسوس! اس سے وہ کام نہیں لیا جا رہا جس کا یہ مستحق ہے

اللہ رب العزت کا مسلمانوں پر احسانِ عظیم ہے کہ اس نے ہفتے میں ایک ایسا دن عطا کیا جس میں اہل محلہ اور اہل شہر اپنے کاروبار چھوڑ کر جامع مسجد میں جمع ہوتے ہیں اور بارگاہِ ایزدی میں ثبوتِ بندگی پیش کرتے ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ۔ (الجمعة: ۹) اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف تیزی سے دوڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔ اگر تم جان سکو تو یہی تمھارے لیے بہتر ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے ذکر یعنی نماز کے لیے سب مسلمانوں کو جمع ہونے کا حکم دیا گیا اور وہ بھی اس حال میں کہ جب اذانِ جمعہ ہو جائے تو ہر طرح کے کام یہاں تک کہ خرید و فروخت بھی چھوڑ دی جائے اور نماز و خطبہ میں مشغول ہوا جائے۔ روز و شب کی پنج وقتہ نمازوں میں مسلمان محلہ کی چھوٹی چھوٹی مساجد میں اکٹھا ہوتے ہیں اور اپنے محلے تک ہی محدود رہتے ہیں لیکن جمعہ کے دن نمازِ جمعہ کے لیے جامع مسجد میں جمع ہوتے ہیں۔ اس میں بہت سی حکمتیں ہیں۔ جیسے: شہر کے باشندگان سے ملاقات، ایک دوسرے کے احوال سے واقفیت، امامِ جمعہ سے پند و نصائح حاصل کرنا، حالات و معاملات کو سمجھنا اور اجتماعی طور پر مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے پیہم سعی کرنا۔

جمعہ کی ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ اسے ہر راہ چلتا آدمی قائم نہیں کر سکتا یہاں تک کہ صرف جامع مسجد کا ہونا بھی کافی نہیں جب تک کہ بادشاہ اسلام یا قاضی شرع کی جانب سے باقاعدہ نماز جمعہ کی اجازت نہ ہو، اس جگہ نماز جمعہ ادا نہیں کی جا سکتی لیکن مقام تاسف ہے کہ آج بالخصوص برصغیر میں اسلامی اصول کو چھوڑ کر صرف حیلوں سے کام چلایا جا رہا ہے اور بے وقعت اعذار کا سہارا لے کر جمعہ کے دن کی اجتماعیت کو ٹکڑے کر کے محلوں اور سوسائٹیوں کی چھوٹی چھوٹی مسجدوں میں جہاں چار صف بھی آسانی سے نہیں لگ سکتی، جمعہ قائم کیا جا رہا ہے جس کے نتیجے میں مقصدِ جمعہ جو مسلمانوں کے ہجوم و اجتماع کا مظاہرہ تھا، وہ معدوم ہو رہا ہے۔

فضائل جمعہ:

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’جو آدمی جمعہ کے روز غسل کرے اور حسبِ استطاعت طہارت حاصل کرے، تیل لگائے اور خوشبو استعمال کرے۔ پھر اپنے گھر سے نمازِ جمعہ کے لیے نکلے اور صفوں میں بیٹھے ہوئے نمازیوں کے درمیان نہ گھسے، امام خطبہ دے تو خاموش رہے، پھر اپنی فرض شدہ نماز ادا کرے تو اس کے اس جمعہ سے دوسرے جمعہ تک کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔‘‘ (بخاری شریف: حدیث ۸۸۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بہترین دن جس میں سورج طلوع ہوتا ہے جمعہ کا دن ہے۔ اسی دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا کیے گئے، اسی دن جنت میں داخل کیے گئے اور اسی دن زمین پر تشریف لائے۔ (صحیح مسلم: حدیث ۸۵۴)

خطبۂ جمعہ کی اہمیت و افادیت:

حدیث شریف میں ہے: جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو مسجد کے ہر دروازے پر فرشتے مقرر ہوتے ہیں جو آنے والوں کے نام لکھتے ہیں۔ سب سے پہلے جمعہ کے لیے آنے والا اونٹ قربان کرنے والے کی طرح ثواب کا مستحق ہوتا ہے، پھر اس کے بعد والا گائے قربان کرنے والے کی طرح، اس کے بعد آنے والا مینڈھا قربان کرنے والے کی مانند، اس کے بعد آنے والے کو مرغی قربان کرنے اور اس کے بعد آنے والے کو مرغی کا انڈا صدقہ کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ پھر جب امام خطبہ دینے کے لیے نکل آئے تو فرشتے اپنا دفتر لپیٹ کر خطبہ

سننے میں لگ جاتے ہیں۔(صحیح بخاری، حدیث:۹۲۹)
ایک دوسری روایت میں یہ بھی مذکور ہے:
اور جب امام خطبہ کے لیے بیٹھ جائے تو اس کے بعد آنے والا فرشتوں کے دفتر میں نہیں لکھا جاتا ہے۔(مسند امام احمد: حدیث ۲۲۳۳۱)یعنی اس کا فرض تو ادا ہوجاتا ہے لیکن اسے وہ ثواب نہیں ملتا جو خطبۂ جمعہ کے لیے جلد آنے والوں کو ملتا ہے۔
مذکورہ حدیث میں ہمیں خطبۂ جمعہ کی اہمیت وفضیلت کی جانب خاص توجہ دلائی جارہی ہے کہ اسے ترک کرنے والا صرف فرضِ جمعہ ادا کرنے والا ہوتا ہے، اسے جمعہ کا عمومی ثواب حاصل نہیں ہوتا۔
حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیشہ خطبۂ جمعہ کا اہتمام فرمایا اور جب تک ظاہری حیات مبارک کے ساتھ لوگوں کے درمیان تشریف فرما رہے خود ہی خطبہ ارشاد فرمایا جیسا کہ مسلم شریف کی حدیث ہے:
سیدنا جابر بن سمُرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ کھڑے ہو کر پڑھتے، پھر بیٹھ جاتے، پھر کھڑے ہوتے اور کھڑے رہ کر ہی خطبہ ارشاد فرماتے۔ اور جس نے تم سے کہا کہ خطبہ بیٹھ کر پڑھتے تھے، بخدا! اس نے جھوٹ کہا، میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دو ہزار سے زیادہ نمازیں ادا کی ہیں۔
(صحیح مسلم: حدیث ۱۹۹۶)

خطبۂ جمعہ دعوت واصلاح کا ایک اہم اور مؤثر ترین ذریعہ:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام عمر خطبۂ جمعہ کا اہتمام فرمایا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ظاہری کے بعد خلفائے راشدین نے جمعہ کا اہتمام فرمایا۔ اس کے بعد بنوامیہ اور بنوعباس کے بادشاہوں نے اہتمام کیا۔ اس کے بعد اسی طرح حکومت اسلامیہ کا دائرہ وسیع ہوتا چلا گیا لیکن کبھی بھی جمعہ اور خطبۂ جمعہ کا اہتمام نہیں رکا اور آج حال یہ ہے کی ایک ہی شہر میں اللہ کے فضل سے کئی کئی مساجد قائم ہیں جہاں باقاعدہ خطبۂ جمعہ اور نماز جمعہ کا اہتمام ہوتا ہے۔
عرب ممالک میں خطبۂ جمعہ عربی زبان میں کافی طوالت کے ساتھ حالات حاضرہ اور اصلاحی مواد کو شامل کر کے دیا جاتا ہے لیکن غیر عرب ممالک جہاں عربی زبان سے لوگوں میں واقفیت کم ہے، وہاں مسنون خطبہ عربی زبان میں ہی مختصر وقت میں دیا جاتا ہے مگر اس سے پہلے وہاں کی علاقائی زبان بالخصوص اردو یا ہندی میں ایک طویل خطبہ ہوتا ہے جو لوگوں میں دینی، اخلاقی اور تعلیمی بیداری لانے کے لیے دیا جاتا ہے۔
بہت سی دینی تنظیمیں اور کمیٹیاں اصلاح امت کے لیے آئے دن محفلیں اور مجلسیں منعقد کرتی رہتی ہیں جس کے لیے انہیں کافی اخراجات کا بوجھ اٹھانا پڑتا ہے اور ساتھ ہی لوگوں کی رغبت کے لیے دعوتِ طعام کا اہتمام کرنا ہوتا ہے۔ اس قدر محنت کے باوجود ان محافل ومجالس میں لوگوں کی شرکت یقینی نہیں ہوتی لیکن نماز جمعہ ایک ایسی محفلِ عبادت ہے جس میں شرکت ہر مکلف مسلمان مرد پر واجب و لازم ہے اور اسے لامحالہ مسجد تک حاضر ہونا ہی ہے۔ اس طرح خطبۂ جمعہ کا اہتمام یکسر آسانی اور بلا خرچ لوگوں تک دینی پیغام پہنچانے کا بہترین ذریعہ ثابت ہوتا ہے۔ ہر جمعہ ہر ایک خطیب کو تقریباً ۳۰ سے ۴۵ منٹ کا وقت ملتا ہے جسے وہ خطیب عمدہ طریقے سے استعمال کر کے لوگوں کے عقائد واعمال کی اصلاح کر سکتا ہے لیکن افسوس آج ہمارے خطبا کسی اور ہی نشے میں چور ہیں، پیاسوں کو کچھ اور ہی جام پلا رہے ہیں۔

اے شاعرانِ قوم! زمانہ بدل گیا
پر مثلِ زلفِ یار تمہارا نہ بل گیا
پیٹو گے کب تلک سرِ راہ تم لکیر
بجلی کی طرح سانپ تڑپ کر نکل گیا
اٹھو وگرنہ حشر نہیں ہوگا پھر کبھی
دوڑو! زمانہ چال قیامت کی چل گیا
اک تم کہ جم گئے ہو جمادات کی طرح
اک وہ کہ گویا تیر کماں سے نکل گیا

شاعر نے مذکورہ اشعار میں شعرائے زمانہ کی بارگاہ میں گہار لگائی ہے لیکن میں یہاں اپنے خطبا اور واعظین سے التجا کرتا ہوں کہ خدارا! مسند خطابت کو ہنسی مذاق اور لڑائی جھگڑے کا اکھاڑا نہ بنائیں بلکہ اسے منبر رسول مانتے ہوئے لوگوں کی اصلاح کا کام انجام دیں۔

خطباتِ جمعہ کے لیے چند اہم نکات:

اپنا قلم خستہ وفرسودہ حالات پر آنسوؤں کی نذر کرنے کے بجائے میں بہتر سمجھتا ہوں کہ یہاں چند اہم باتوں کی نشان دہی کر دی

جائے جن سے خطباتِ جمعہ میں استفادہ کر کے ہمارے خطبا اپنے بیانات کولوگوں کے حق میں مفید بنا سکتے ہیں:

☆ بیانات اور خطبات کو عوام الناس کے اعتبار سے ان کی علاقائی آسان اور عام فہم زبان میں پیش کرنا ضروری ہے تا کہ لوگ اسے اپنے قلوب واذہان میں جلد بٹھا سکیں۔

☆ مواد زیادہ سے زیادہ قرآن وحدیث اور سچی حکایات پر مشتمل ہو اور جو بات پیش کریں اسے قرآن وسنت اور علما وفقہا کے اقوال کی روشنی میں واضح کریں۔

☆ بیانات میں نرم مزاجی ہو کہ نرم گفتار ذہنوں کو بھلی لگتی ہے اور لوگ اسے اپنے دلوں میں جگہ دیتے ہیں، کبھی کبھی آواز تیز ہو تو حرج نہیں لیکن ابتدا تا انتہا چیخنے والے انداز سے خطبۂ جمعہ میں گریز کریں کہ مسجد کا احترام بھی لازم ہے۔

☆ اصلاحِ عقائد پر خصوصی توجہ دی جائے کہ موجودہ وقت میں لوگ تمام مذاہب کو درست ماننے لگے ہیں۔ایسے موقع پر دوسروں کی طرف توجہ دیے بغیر حکمتاً انہیں اسلامی عقائد و نظریات میں پختہ کریں۔جب وہ پختہ ہو جائیں گے تو خود بہ خود اغیار سے گریزاں ہوں گے۔

☆ اسلام پر ثابت قدمی کے حوالے سے صحابۂ کرام، مجاہدین اسلام، علمائے دین وملت کی قربانیوں کے احوال بیان کر کے ان میں اسلام کے تئیں رغبت ومحبت پیدا کریں۔ بزرگانِ دین کی کرامات کم اور ان کی دینی جاں نثاری، تقوی شعاری، کاوشات اور تعلیمات کو زیادہ بیان کریں۔

☆ مسلمانوں کے آپسی معاملات اور اخلاقیات کو سنوارنے پر وقتاً فوقتاً زور دیں تا کہ آپ کے اطراف کا ماحول سدھر سکے۔ انھیں باوقار زندگی گزارنے کی ترغیب دیں۔ پاکیزگی اور ماحول کو صاف ستھرا رکھنے کی بار بار تلقین کریں۔

☆ سب سے اہم ترین یہ کہ لوگوں میں سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم زندہ کریں تا کہ ان کی زندگی سنت کے مطابق گناہوں سے بچتے ہوئے گزرے۔

☆ وقتاً فوقتاً سیاسی اور سماجی معاملات پر بھی سلجھی ہوئی گفتگو کریں لیکن جذبات سے بے قابو ہو کر نہیں بلکہ حکمت ومصلحت کے ساتھ۔

دعوت واصلاح کی تمام تر جہات میں اللہ رب العزت کے اس ارشاد کو ہمیشہ پیش نظر رکھیں: ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ۔ (النحل: ۱۲۵) اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ بلاؤ اور ان سے بحث بھی ایسے انداز میں کرو جو نہایت حسین ہو۔

مساجد کے ذمہ داران سے التماس:

سب سے اہم اور بڑی ذمہ داری مسجد کے متولیان اور ٹرسٹیان کی ہے۔ مسجد کی تعمیر وتزئین میں بلاشبہ ان حضرات کی بڑی قربانیاں ہیں۔ مسجد کی دیکھ بھال کرنا، لوگوں کے طعن وتشنیع سننا اور صبر وحکمت سے کام لینا دشوار ترین امر ہے مگر اللہ رب العزت کی بارگاہ میں اس پر اجر بھی کافی بڑا ہے۔ آپ حضرات سے التماس ہے کہ آپ صرف مسجد کے ہی نہیں پوری ملت کے ذمہ داران اور نگہبان ہیں۔ ملت کی فلاح و ارتقا میں ذمہ دارانِ مسجد کا اہم رول ہوتا ہے اس لیے آپ حضرات مذکورہ باتوں پر خصوصی توجہ دیں اور اپنی مساجد کے ائمہ سے اصلاحِ عقائد واعمال پر خطابات کروائیں اور اپنی مساجد کو مسلمانوں کی دینی وعلمی ترقی کا مرکز بنائیں۔

اخیر میں بس اتنا عرض ہے کہ جمعہ کا دن ہمارے لیے عام دن نہیں بلکہ ہماری اجتماعیت کا مخصوص دن ہے۔ یہ دن اللہ عزوجل اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ہمیں بطور میڈیا دیا گیا ہے۔ اس دن کا بہتر استعمال کر کے ہم خصوصاً مسلمانوں تک اور عموماً باشندگانِ عالم تک اسلام کا آفاقی پیغام بہ آسانی پہنچا سکتے ہیں۔

●●

(بقیہ ص ۵۷ کا)

ہاں! کئی بار دیکھا ہے!!

اچھا! کب؟ کب؟

جب اس نے میرے گناہوں پر اپنی ستاریت کا حجاب ڈالا، سیہ کاریوں اور دائمی نادانیوں کے باوجود بابِ رزق مجھ پر کشادہ رکھا، مصائب وآلام سے نجات دے کر صحت وعافیت کا خوش نما لباس عطا کیا، جذبۂ انفعالیت سے سرشار عرق آلود جبینِ نیاز کو اپنی شانِ کریمی سے دُرِّ خوش آب جیسا وقار بخشا۔

●●

مجھے ہے حکم اذاں

کیا شخصیت پرستی بری چیز ہے؟

ڈاکٹر نعیم مشتاق

اللہ ورسول کے دوستوں سے محبت وعقیدت کو ''شخصیت پرستی'' کا نام دینے والوں کی خدمت میں چند گزارشات

اِنسانی فطرتِ سلیمہ کا تقاضا ہے کہ جسے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کی خدمت کی توفیق حاصل ہوجائے تو اس کی شخصیت اور کردار سے لوگوں کے دلوں میں محبت پیدا ہوجاتی ہے۔ ایسا پیار ومحبت اور عقیدت واِحترام شخصیت پرستی کے زُمرے میں نہیں آتا بلکہ ایسے انسان سے عقیدت ومحبت درحقیقت اللہ اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہی محبت ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ اُنہی کے پیغام ہی کی برکت ہے کہ جس نے ایک عاجز اِنسان کو اِس قابل بناڈالا کہ دنیا کے لاکھوں لوگ اس سے محبت وعقیدت کا دم بھرتے ہیں۔ جماعتی و تحریکی محبتوں اور اِن جذبوں کے پیچھے درحقیقت اِسلام سے محبت ہی چھپی ہے۔

یہ سُنتِ نبوی پر عمل کی برکت ہوتی ہے کہ لوگ ایک عاجز کو قابلِ احترام سمجھنا شروع کردیتے ہیں۔ اُس کے چہرے کو دیکھ کر اللہ اس لیے یاد آتا ہے کیونکہ اُس کے چہرے کی نورانیت کے پیچھے نورِ محمدی ہی کا فیض موجود ہوتا ہے۔ حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ أَحِبَّائِي وَأَوْلِيَائِي الَّذِيْنَ يُذْكَرُوْنَ بِذِكْرِي وَأُذْكَرُ بِذِكْرِهِمْ (مسند احمد بن حنبل: ج ۳، ص ۴۳۰، حدیث/ ۱۵۵۸۸)

بے شک میرے احباب اور اولیا وہ لوگ ہیں کہ میرا ذکر کرنے سے وہ یاد آجاتے ہیں اور ان کا ذکر کرنے سے میں یاد آجاتا ہوں (یعنی میرا ذکر ان کی یاد دلاتا ہے اور ان کا ذکر میری یاد دلاتا ہے)۔

اِسی مضمون کو 'سنن ابن ماجہ' میں یوں روایت کیا گیا ہے:

عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ رضى الله عنها قَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ االلهِ صلى الله عليه وآله وسلم يَقُوْلُ: أَ لَا أُنَبِّئُكُمْ بِخِيَارِكُمْ؟ قَالُوْا: بَلٰى يَا رَسُوْلَ االلهِ، قَالَ: خِيَارُكُمُ الَّذِيْنَ إِذَا رُؤُوْا ذُكِرَ اللهُ عزوجل

(سنن ابن ماجہ: کتاب الزہد، ج ۲، ص ۱۳۷۹، حدیث/ ۴۱۱۹)

''حضرت اَسما بنت یزید رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: کیا میں تمہیں تم میں سے بہترین لوگوں کے بارے میں خبر نہ دوں؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیوں نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں کہ جب انہیں دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ یاد آجائے''۔

دین اسلام کے نام پر ساری محبتیں بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک جا پہنچتی ہیں، ہر محبت کے پیچھے محبتِ الٰہی اور محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چھپی بیٹھی ہے۔

دینی شخصیات سے حد درجہ عقیدت کیوں؟

سوال پیدا ہوتا ہے کہ لوگ اپنی اپنی پسندیدہ دینی شخصیات کے ساتھ جنوں کی حد تک عقیدت اور محبت کا مظاہرہ کیوں کرتے ہیں؟ آیئے! قرآن وسنت کی روشنی میں اس سوال کا جواب تلاش کرتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا (سورۂ مریم: آیت ۹۶)

''بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے تو (خدائے) رحمن ان کے لیے (لوگوں کے) دلوں میں محبت پیدا فرمادے گا''۔

حافظ ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''نیک عمل کرنے والے ایمان والوں سے خدا تعالیٰ خود محبت کرتا ہے اور زمین پر بھی ان کی محبت اور مقبولیت اتاری جاتی ہے۔ مومن ان سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ ان کا ذکرِ خیر ہوتا ہے اور ان کی موت کے بعد بھی ان کی بہترین شہرت باقی رہتی ہے۔ ہرم بن حیان کہتے ہیں کہ جو بندہ سچے اور مخلص دل سے اللہ کی طرف جھکتا ہے، اللہ تعالیٰ مومنوں کے دلوں کو اس کی طرف جھکا دیتا ہے۔ وہ اس سے محبت اور پیار کرنے لگتے ہیں۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے بندہ جو

بھلائی و برائی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اسی کی چادر اُڑھا دیتا ہے‘‘۔

(ابن کثیر تفسیر القرآن العظیم، ج ۳، ص ۳۰۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث قدسی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَنْ عَادٰى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِي بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ وَمَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى أُحِبَّهُ فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ: كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا وَإِنْ سَأَلَنِي لَأُعْطِيَنَّهُ وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِي لَأُعِيذَنَّهُ وَمَا تَرَدَّدْتُ عَنْ شَيْءٍ أَنَا فَاعِلُهُ تَرَدُّدِي عَنْ نَفْسِ الْمُؤْمِنِ يَكْرَهُ الْمَوْتَ وَأَنَا أَكْرَهُ مَسَاءَتَهُ

(بخاری: کتاب الرقاق، باب التواضع، ج ۵، ص ۲۳۸۴، حدیث ۶۱۳۷)

‘‘جو میرے کسی ولی سے دشمنی رکھے میں اُس سے اعلانِ جنگ کرتا ہوں اور میرا بندہ ایسی کسی چیز کے ذریعے میرا قرب نہیں پاتا جو مجھے فرائض سے زیادہ محبوب ہو اور میرا بندہ نفلی عبادات کے ذریعے برابر میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اگر وہ مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اسے ضرور عطا کرتا ہوں اور اگر وہ میری پناہ مانگتا ہے تو میں ضرور اسے پناہ دیتا ہوں۔ مجھے جو کام کرنا ہوتا ہے اس میں کبھی اس طرح متردد نہیں ہوتا جیسے بندۂ مومن کی جان لینے میں ہوتا ہوں۔ اسے موت پسند نہیں اور مجھے اس کی تکلیف پسند نہیں‘‘۔

جب یہ شخص قربتِ الٰہی کے اس مقام پر پہنچتا ہے تو پھر نہ صرف وہ محبوبِ الٰہی بن جاتا ہے بلکہ اللہ کی مخلوق بھی اُس سے محبت کرنے لگتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا أَحَبَّ اللهُ الْعَبْدَ نَادٰى جِبْرِيْلَ: إِنَّ اللهَ يُحِبُّ فُلَانًا فَأَحْبِبْهُ فَيُحِبُّهُ جِبْرِيْلُ فَيُنَادِي جِبْرِيْلُ فِي أَهْلِ السَّمَاءِ: إِنَّ اللهَ يُحِبُّ فُلَانًا فَأَحِبُّوْهُ فَيُحِبُّهُ أَهْلُ السَّمَاءِ ثُمَّ يُوْضَعُ لَهُ الْقَبُوْلُ فِي الْأَرْضِ

(بخاری: کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکہ، ج ۳، ص ۱۱۷۵، حدیث ۳۰۳۷)

‘‘جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبرائیل علیہ السلام کو آواز دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت رکھتا ہے لہٰذا تم بھی اس سے محبت کرو۔ تو جبرائیل علیہ السلام اس سے محبت کرتے ہیں۔ پھر جبرائیل علیہ السلام آسمانی مخلوق میں ندا دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت کرتا ہے لہٰذا تم بھی اس سے محبت کرو۔ چنانچہ آسمان والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور پھر زمین والوں (کے دلوں) میں (بھی) اس کی مقبولیت رکھ دی جاتی ہے‘‘۔

اللہ تعالیٰ اور اُس کی مخلوق کے محبوب سے اظہارِ محبت کو شخصیت پرستی کا عنوان دے کر محبت کے پاکیزہ جذبے کو بدنام کرنا کسی طرح بھی درست نہیں بلکہ ہمارے نزدیک تو یہ سوچ بذاتِ خود غلط ہے اس لئے کہ اس کی نہ تو کوئی عقلی اور نہ ہی کوئی شرعی توجیہ پیش کی جاسکتی ہے۔

عقیدہ اہلِ سنت اور شخصیات سے محبت:

عقیدہ اہل سنت و جماعت میں شخصیات پر مدار کیوں کیا جاتا ہے؟ اس سوال کے جواب سے پہلے آیئے یہ جانتے ہیں کہ اہلِ سنت و جماعت سے کیا مراد ہے؟

یاد رہے کہ ’سنت‘ سے مراد درحقیقت قرآن اور حدیث نبوی پر مبنی اصول و قوانین ہیں جبکہ ’جماعت‘ کا لفظ اکثریتی طبقہ اور جمہور اُمت پر بولا جاتا ہے۔ اہلِ سنت سے مُراد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت اور آثارِ صحابہ پر عمل پیرا ہونے والے لوگ ہیں، دوسرے لفظوں میں اِس طبقے کا اطلاق اُن اشخاص پر ہوتا ہے جن کے اعتقادات، اعمال اور مسائل کا محور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتِ صحیحہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار ہیں۔ اَهل السنة والجماعة کی اِصطلاح تیسری صدی ہجری میں اِمام ابو الحسن اَشعری کی تحریک کے بعد عام ہوگئی۔ اُس دور میں جمہور اُمت، جماعت اور اَھل السنہ کی جگہ اَھل السنة والجماعة کی اِصطلاح زیادہ مروج ہوئی۔

اہلِ سنت و جماعت وہ لوگ ہیں جن کے یہاں اُصول اور قوانین کو شخصیات کے ذریعہ سے اور شخصیات کو قوانین و اُصول کے ذریعہ سے سمجھا اور پرکھا جاسکتا ہے۔ نہ تو تنہا قوانین کو شخصیات سے

علیحدہ کر کے محض اپنی عقل کے مطابق اُن کی تشریح کی جاتی ہے اور نہ ہی شخصیات کو اُصول وقوانین سے بالاتر سمجھ کر اُن ہی کے ذاتی اَعمال اور کیفیات کو قانون واُصول کا درجہ دیا جاتا ہے۔

اِس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اِس اُمت کو صرف قرآن ہی نہیں دیا بلکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت میں مجسم و مشخص ذاتِ عالی بھی عطا فرمائی ہے جنہوں نے قرآن کو سُنایا، سمجھایا اور اِس کا عملی نمونہ پیش کیا ہے اور پھر اِس پر عمل کرنے اور ٹھیک ٹھیک سمجھنے کے لیے ذہنوں اور دلوں کو صاف کیا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا کہ اگر تم مجھ سے محبت چاہتے ہو تو میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرو:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

’’(اے حبیب!) آپ فرما دیں: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو تب اللہ تمہیں (اپنا) محبوب بنا لے گا اور تمہارے لیے تمہارے گناہ معاف فرما دے گا اور اللہ نہایت بخشنے والا مہربان ہے‘‘۔ (سورہ آلِ عمران: آیت ۳۱)

بات عقیدے کی ہو یا عمل کی، جب تک اُس کی تصدیق بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہیں ہوگی وہ شریعتِ اِسلامیہ کا حصہ نہیں بنے گا مثلاً وحدتِ اِلٰہی جب تک زبانِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان نہیں ہوگی وہ توحید الٰہی میں نہیں بدلے گی۔ وحدتِ اِلٰہی تو دوسرے اَدیان کے پیروکار بھی مانتے ہیں، توحید تب بنے گی جب اُس کا ماننا صرف بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے ہوگا۔ اللہ کو ایک تو سب مانتے ہیں مگر جاننا صرف بارگاہِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہی ممکن ہے۔ سارے کا سارا اِسلام ذاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منسلک ہے۔ ذاتِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی حقیقی اِسلام ہے۔ اِسلام اور کفر میں اَصل فرق ذاتِ محمدی ہی ہے۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

فَمَنْ اَطَاعَ مُحَمَّدًا فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ عَصٰى مُحَمَّدًا فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ، وَمُحَمَّدٌ فَرْقٌ بَيْنَ النَّاسِ

(بخاری: ج۶، ص ۲۶۵۵، حدیث ۶۸۵۲)

’’جس نے محمد کی فرماں برداری کی اس نے اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کی اور جس نے محمد کی نافرمانی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور محمد لوگوں کے درمیان فرق وامتیاز کرنے والے ہیں‘‘۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اس حدیث کی شرح ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

’’فَمَنْ اَطَاعَ مُحَمَّدًا سے مراد ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا تعالیٰ کے حکم کے مطابق لوگوں کو بلاتے ہیں اس لیے جو شخص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرماں برداری کرتا ہے فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ تو بے شک وہ اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کرتا ہے۔ وَمَنْ عَصٰى مُحَمَّدًا فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ اور جو انسان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کرتا ہے تو بلاشبہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے۔ وَمُحَمَّدٌ فَرْقٌ بَيْنَ النَّاسِ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کافر و مؤمن اور نافرمان وفرماں بردار لوگوں کے درمیان فرق وتمیز کرنے والے ہیں کہ جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کی صاحب ایمان ہو گیا اور جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب کی، وہ کافر ہو گیا‘‘۔ (اشعۃ اللمعات: ج۱، ص ۴۲۶)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ذات کے ہر پہلو کے فیض کو اُمت میں بذریعہ صالح شخصیات تا قیامت جاری رکھا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی فقیہ و مجتہد اور علمی و روحانی شخصیات بھی اُمت کو عطا فرمائی ہیں جنہوں نے اپنے اپنے دور میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریق پر دین سکھایا، سمجھایا اور عمل کر کے دکھلایا ہے اور اسی طرح انسانی ذہنوں کو اپنی تربیت کے ذریعے ٹھیک ٹھیک سمجھنے کے لیے بیدار اور تیار کیا ہے۔

اِسی لیے اَہلِ سنت و جماعت کے یہاں دین اور دینی تربیت کے لیے تنہا کتاب یا تنہا شخصیت ہی کافی نہیں ہوتی بلکہ قانون کے ساتھ قانون سکھانے والے اور قانون پر عمل کر کے دکھلانے والے کی موجودگی بھی ناگزیر اور اشد ضروری ہوتی ہے تاکہ صرف قانون ہی علم میں نہ آئے بلکہ اِس قانون کا حقیقی رنگ دلوں پر چڑھ جائے اور اِس کی حقیقی و معنوی یعنی روحانی کیفیات بھی دلوں میں جذب ہو جائیں۔ یہ حالت شخصیات سے تعلق کے بعد ہی ممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اَہلِ سنت و جماعت کے مسلک میں یہ دو چیزیں یعنی ’’شخصیات‘‘ اور ’’قوانینِ شریعتِ محمدی‘‘ بنیادی رکن یا ستون کا درجہ رکھتی ہیں۔ اِن

شخصیات سے محبت عین محبتِ اسلام ہے اور تعلیماتِ اسلام کے مطابق ہے۔

شخصیت پرستی سے کیا مراد ہے؟

آیئے اب سمجھیں کہ شخصیت پرستی سے کیا مراد ہے؟ شخصیت پرستی بنیادی طور پر ایک منفی رویہ ہے جس میں حق وانصاف اور عقل و فکر کے تقاضوں کو بالائے طاق رکھ کر کسی مذہبی و سیاسی لیڈر سے اس قدر محبت وعقیدت پیدا کی جاتی ہے کہ اس کے قول وعمل کو رفقا اور پیروکاروں میں نفسیاتی سطح پر عقیدے کا درجہ مل جاتا ہے۔ کہنے کوتو بات سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کی ہورہی ہوتی ہے مگر ہمارے یہاں اگر کوئی مذہبی وسیاسی رہنما سے علمی یا انتظامی نوعیت کا بھی اختلاف کرنے کی کوشش کرے تو اسے دین ومذہب اور جماعت وتحریک سے غیر مخلص اور منافق سمجھا جاتا ہے۔ پس ایسے رہنماؤں کے پیچھے لگ جانا جو خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطیع فرمان نہ ہوں اور اپنے مذہبی پیشواؤں اور سیاسی قائدین کے اعمال کو کتاب و سنت کی کسوٹی پر پرکھے بغیر ان کی اطاعت کرتے رہنا شخصیت پرستی ہی ہے۔

اس کی مثال ہمیں حضرت مجدد الف ثانی کی اُس نصیحت میں ملتی ہے کہ آپ سے کسی سائل نے عرض کیا: حضرت! کوئی نصیحت فرمایئے۔ آپ نے فرمایا:

’’بیٹے! دو نصیحتیں ہیں۔ زندگی میں نہ کبھی خدا بننے کی کوشش کرنا اور نہ کبھی مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بننے کی‘‘۔ وہ بڑی حیرانی سے عرض کرنے لگا: ’حضرت! اللہ معاف فرمائے، کوئی مسلمان بھلا ایسا بھی کرسکتا ہے؟ اس کا کیا مطلب ہے؟‘ آپ نے فرمایا:

اس کا معنی یہ ہے کہ یہ اللہ ہی کی شان ہے کہ وہ جو چاہتا ہے کر دیتا ہے لہٰذا کبھی یہ گمان اپنے بارے میں نہ کرنا کہ میں جو چاہوں گا وہ اسی طرح ہوجائے گا۔ کبھی کوئی کام تمہارے چاہنے کے موافق ہوگا اور کبھی خلاف۔ اگر کام تیری منشا کے خلاف ہوجائے تو غصے اور جلال میں آجائے کہ ایسا کیوں ہوگیا تو یہ تجھے زیبا نہیں دیتا کیونکہ یہ اللہ کی شان ہے کہ اس کی منشا کے مطابق ہر چیز وقوع پذیر ہوتی ہے۔ تو بندہ ہے اور بندے کا یہ منصب نہیں کہ وہ جو چاہے وہی ہوجائے لہٰذا اگر کام نہ ہو تو صبر کر۔ اسی طرح اگر کوئی کام تیری منشا کے مطابق ہوجائے تو اللہ کا شکر ادا کر اور کام کو اُسی کی ذات کی طرف منسوب کر کہ یہی صبر و شکر مقامِ بندگی ہے۔

رسول بننا یہ ہے کہ چونکہ رسول جو کچھ کہے اس کو نہ ماننے والا کافر ہوجاتا ہے اس لیے اگر تو بھی یہ چاہے کہ تیری ہر بات مانی جائے اور نہ ماننے پر ناراض ہوجائے اور نہ ماننے والے پر برس پڑے تو پھر یہ سمجھ کہ تو اپنے آپ کو منصب رسالت پر بٹھا رہا ہے۔ یہ حق تو صرف رسول کو حاصل ہوتا ہے کہ جس نے ان کی بات مان لی وہ مومن ہوگیا اور جس نے رد کردی وہ کافر۔

یہی رویہ شخصیت پرستی کی وہ شکل ہے جس کی اسلام میں سختی سے ممانعت ہے۔ تاریخ میں بعض مذہبی رہنماؤں کے انہی رویوں کی وجہ سے مذہب بدنام ہوا اور مذہب بے زار رویوں کو فروغ ملا اور تحریکیں ناکام ہوئیں۔

عقیدت واحترام کا قرآنی معیار:

ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اسلامی تعلیمات کے مطابق دینی اور سیاسی رہنما خواہ عقیدت واحترام کے کتنے ہی اونچے منصب پر فائز ہوجائیں، اختلاف وتنقید سے ماورا نہیں ہوتے۔ غیر مشروط اِطاعت وفرماں برداری صرف اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی ہے۔ باقی سب سے عقیدت ومحبت مشروط ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

یٰـاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا

(سورۃ النساء: آیت ۵۹)

’’اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے (اہلِ حق) صاحبانِ اَمر کی، پھر اگر کسی مسئلہ میں تم باہم اختلاف کرو تو اسے (حتمی فیصلہ کے لیے) اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو، (تو) یہی (تمہارے حق میں) بہتر اور انجام کے لحاظ سے بہت اچھا ہے‘‘۔

اُولِی الْاَمْر کے مفہوم میں وہ سب لوگ شامل ہیں جو مسلمانوں کے اجتماعی معاملات کے قائد وسربراہ ہیں۔ خواہ وہ ذہنی وفکری رہنمائی

کرنے والے علما ہوں یا سیاسی رہنمائی کرنے والے لیڈر یا ملکی انتظام چلانے والے حکام یا عدالتی فیصلے کرنے والے جج یا تمدنی و معاشرتی امور میں قبیلوں اور بستیوں اور محلوں کی سربراہی کرنے والے شیوخ اور سردار، غرض جو جس حیثیت سے بھی مسلمانوں کا صاحب امر ہے وہ اطاعت کا مستحق ہے۔ مگر یہ بات قابل غور ہے کہ اَطِیْعُوا اللّٰہَ کا لفظ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں کے لیے الگ الگ آیا ہے لیکن أُولِي الْأَمْرِ کے لیے اس لفظ کو دہرایا نہیں گیا۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت مستقل اور غیر مشروط ہے لیکن أُولِي الْأَمْرِ کی اطاعت مستقل اور غیر مشروط نہیں بلکہ وہ اس شرط کے ساتھ ہے کہ ان کے احکام اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کے تابع ہوں اور ان میں کتاب وسنت کے ساتھ کوئی تضاد اور تخالف نہ ہو۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَلسَّمْعُ وَالطَّاعَةُ حَقٌّ مَا لَمْ يُؤْمَرْ بِالْمَعْصِيَةِ فَإِذَا أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ

(بخاری: ج ۳، ص ۱۰۸۰، حدیث ۲۷۹۶)

''امیر کی بات سننا اور اطاعت کرنا ضروری ہے جب تک وہ معصیت کا حکم نہ دے۔ اگر وہ نافرمانی کا حکم دے تو نہ اس کی بات سنو اور نہ اس اَمر میں کہا مانو''۔

یہ محبتیں، یہ سوز وجنوں:

جس کو کسی ستارے سے وابستگی ہے اُس کی اپنے ستارے کے ساتھ دوڑ ہے۔ کسی دینی شخصیت سے محبت کے پیچھے محبتِ اسلام اور محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی چھپی ہے۔ اِسی لیے دینی شخصیات سے محبت کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے ہم اسلامی عقائد اور تصورات پر بحث کرتے ہیں تا کہ ہماری محبتیں شخصیت پرستی سے بچی رہیں اور شریعت کے دائرے کے اندر رہیں اور ہمیں ہماری اپنے اپنے ستاروں سے محبت بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک لے جائے، جہاں ساری محبتیں محبتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جا کر ضم ہو جاتی ہیں۔ اپنوں سے محبت تو اپنی جگہ، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو عقائد و نظریات پر اختلاف کے باوجود غیر مسلم دینی و سیاسی راہنما سے ملاقات پر اَخلاقی رواداریوں کا پاس کرتے ہوئے اُس کی عزت وتکریم کی تلقین فرمائی ہے۔ حضرت قتادہ سے روایت ہے کہ

قَدِمَ وَفْدُ النَّجَاشِيِّ عَلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَقَامَ يَخْدُمُهُمْ. فَقَالَ أَصْحَابُهُ: نَحْنُ نَكْفِيكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ: إِنَّهُمْ كَانُوْا لِأَصْحَابٍ مُكْرِمِيْنَ فَإِنِّي أُحِبُّ أَنْ أُكَافِئَهُمْ.

(بیہقی، شعب الایمان: ج ۶، ص ۵۱۸، ص ۹۱۲۵)

''شاہِ حبشہ نجاشی کا ایک وفد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اُن کی خاطر تواضع فرمائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم آپ کی طرف سے (مہمان نوازی کا فریضہ سرانجام دینے کے لیے) کافی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اِن لوگوں نے (میرے) اصحاب کی عزت افزائی کی تھی اس لیے میں نے پسند کیا کہ میں خود اِن کی اُس تکریم کا بدلہ دوں''۔

اچھے اخلاق اور اچھی صحبتیں محبتیں پیدا کرتی ہیں، جس کو صحبتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیض ملا، اُس فیض یافتہ سے محبت دین و دنیا میں خیر و برکت کا باعث بن جاتی ہے۔ زندوں کی صحبت، مُردوں میں زندگی کے آثار پیدا کر دیتی ہے اور اُس کے نصیب جاگ جاتے ہیں۔

خوش نصیب لوگ اِسلام سے اِس لیے محبت نہیں کرتے کہ اُنہیں اپنے اپنے مرکزِ عقیدت سے محبت ہے بلکہ وہ اپنے مراکزِ عقیدت سے اِس لیے محبت کرتے ہیں کہ اُنہیں اسلام سے محبت ہے۔ یہ محبت الٰہی اور محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہے جس سے ایک فانی وجود کو اُمتِ محمدی میں بقا حاصل ہو جاتی ہے۔

تاریخِ اِسلام کے مشکل اَدوار میں دینی شخصیات سے محبت میں 'خود سپردگی اور جذب وجنوں' سے ہی اسلام کو سر بلندی ملی اور اسلام ہر آزمائش میں سے سرخرو ہو کر نکلا۔ آج اسی 'یکسوئی اور عشق وجنوں' سے اِسلام کا پرچم اونچا رہے گا اور اسلام کے ماننے والے سربلند رہیں گے اِن شاء اللہ

●●

مولانا کاشف رضا شاد مصباحی

صلاحیتوں کی تجدید

انسان کی شخصیت جسم، ذہن، قلب اور روح کا مجموعہ ہوتی ہے، ان کی اچھی پرورش کے بغیر کبھی بھی کوئی کامیابی نہیں حاصل کی جاسکتی

تجدید کے چار پہلو:

صلاحیتوں کی تجدید کے حوالے سے ہمارے لیے یہ جاننا اہم ہے کہ ہماری شخصیت کے مرکزی حصے کون کون سے ہیں جن سے شخصیت معرض وجود میں آتی ہے۔ زندگی کی وہ کون کون سی جہتیں (Dimensions) ہیں، جو ہماری شخصیت کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل چار پہلوؤں (Aspects) کو ملحوظ خاطر رکھنا بہت ضروری ہے:

(۱) طبعی پہلو (۲) ذہنی پہلو (۳) قلبی پہلو (۴) روحانی پہلو

مندرجہ بالا چاروں پہلوؤں کے مجموعے سے شخصیت تشکیل پاتی ہے ان میں سے کسی ایک کو بھی غیر اہم یا کم اہم سمجھ کر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔جس طرح ایک دائرے کے اندر ہر نقطہ اپنی جگہ اہم ہوتا ہے اسی طرح شخصیت کے اجزائے ترکیبی میں یہ چاروں پہلو اپنی اپنی جگہ بہت اہم ہیں اور یہ چاروں مل کر ہی شخصیت کے دائرے کو مکمل کرتے ہیں۔

صلاحیتوں کی تجدید کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنے وجود کے ان چاروں حصوں کو کبھی کبھار نہیں بلکہ ہمیشہ اپنی بہترین حالت میں رکھنے کی کوشش کریں اور اُنہیں دانشمندانہ اور متوازن طریقے سے استعمال میں لائیں۔ زندگی میں اگر واقعی ہم اپنے لیے کوئی اہم اور طاقتور کام کر سکتے ہیں تو وہ یہی ہے کہ ہم اپنے اُوپر کام کریں۔ کیونکہ ہم خود ہی وہ ہتھیار ہیں کہ جس کے ذریعے ہم زندگی سے نبٹتے ہیں اور اس میں اپنا حصہ ڈالتے ہیں۔ ہم اپنی کارکردگی کے خود ذمہ دار ہیں اور اپنی کارکردگی میں پُر اثر ہونے کے لیے بہت ضروری ہے کہ ہم چاروں حوالوں سے صلاحیتوں کی تجدید کے لیے وقت نکالنے کی اہمیت کو سمجھیں۔ صلاحیتوں کی تجدید پر صرف ہونے والا وقت ہماری وہ زبردست سرمایہ کاری ہے جو ہم اپنے آپ کو بہترین حالت میں رکھنے کے لیے کر سکتے ہیں۔ جب ہم جسمانی، ذہنی، قلبی اور روحانی طور پر بہترین حالت میں ہوں گے تو ہماری کارکردگی بھی بہترین ہوگی اور ہم اپنے جملہ فرائض اور ذمہ داریوں کو بطریق احسن سرانجام دے سکیں گے۔ جس کے نتیجے میں ہمارا خدا بھی ہم سے راضی ہوگا، لوگ بھی ہم سے خوش ہوں گے اور خود ہم بھی اپنی نگاہوں میں مطمئن اور مسرور ہوں گے۔ یہی کامیاب زندگی کی سب سے بڑی کلید ہے۔

تجدید میں توازن:

تجدید کے حوالے سے خاص طور پر یاد رکھنے والی انتہائی اہم بات یہ ہے کہ تجدید کے عمل میں چاروں پہلوؤں کو شامل کرنا چاہیے اور ان میں توازن بھی رکھنا چاہیے۔ وجہ یہ ہے کہ شخصیت کے یہ چاروں پہلو اپنی جداگانہ اور منفرد حیثیت کے حامل ہونے کے ساتھ ساتھ زبردست طریقے سے باہمی طور پر جڑے ہوئے بھی ہیں اور ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ جب ہم کسی ایک کی بہتری کے حوالے سے کوئی قدم اُٹھاتے ہیں تو وہ اس کو براہ راست متاثر کرنے کے علاوہ بالواسطہ طور پر دوسروں پر بھی اثر انداز ہوتا ہے۔ دوسری طرف کسی ایک کو نظر انداز کرنے کے منفی اثرات دوسروں پر بھی پڑتے ہیں۔اس کی مثال ایسے ہے کہ کار کا ایک پہیہ ٹیڑھا ہو جائے تو چاروں کی حرکت میں فرق آجاتا ہے، حالانکہ خرابی صرف ایک میں ہے۔اسی طرح جب ہمارا جسم تھکا ہوا ہوتا ہے تو دماغ پراگندہ، دل بوجھل اور رُوح پژمردہ سی ہوتی ہے۔اس کے برعکس جب جسم تروتازہ حالت میں ہوتا ہے تو بقیہ تینوں بھی مطمئن اور پرسکون محسوس ہو رہے ہوتے ہیں لہٰذا تجدید کے کام کو زیادہ پُر اثر اور بار آور بنانے کے لیے ضروری ہے کہ ہم چاروں پہلوؤں کی عقلمندی کے ساتھ متوازن انداز میں تجدید کرتے رہیں۔

بہت سارے لوگ تجدید کے معاملے میں یہ سنگین غلطی کرتے ہیں کہ زندگی کے کسی ایک یا دو رُخوں پر تمام تر توجہ مرکوز کر دیتے ہیں اور باقی پہلوؤں کو نظر انداز کرتے چلے جاتے ہیں مثلاً بعض لوگ بہت

سارا وقت اپنا جسم بنانے پر صرف کر دیتے ہیں مگر ذہنی حالت کو بہتر بنانے کی طرف توجہ نہیں دیتے جس کے نتیجے میں وہ ذہنی صلاحیتوں کے معاملے میں بانجھ رہ جاتے ہیں۔ اس کی مثال پہلوانوں میں بکثرت دیکھی جاسکتی ہے۔

بعض لوگ ذہنی صلاحیتوں کو جلا دینے کے لیے بہت زیادہ توجہ دیتے ہیں مگر سماجی حوالے سے کوئی اہم کردار ادا نہیں کر پاتے کیونکہ اُنہوں نے اپنے جذبات کی تربیت اور سماجی تعلقات کے حوالے سے کوئی خاص جدوجہد نہیں کی ہوتی لہٰذا اس پہلو میں کمزور رہ جاتے ہیں۔ اس کی مثال وہ تمام نام نہاد قسم کے دانشور ہیں جو بزعم خویش خود کو بہت بڑا دانشور سمجھ لیتے ہیں اور دوسروں کو کسی خاطر میں نہیں لاتے۔ یہ لوگ جذبات کی نزاکتوں اور لطافتوں سے ناآشنا ہوتے ہیں چنانچہ دوسروں کے ساتھ خوشگوار تعلقات قائم کرنا اور اُن میں گھل مل کر رہنا اُن کے لیے ممکن نہیں ہوتا۔

اسی طرح بعض لوگ روح کو ہی سب کچھ سمجھ کر ماحول اور معاشرے سے منقطع ہو کر اُسے بنانے، سنوارنے اور نکھارنے میں لگ جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے جسم کئی قسم کی بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ ذہنی ترقی کا سفر بھی خاطر خواہ جاری نہیں رہتا اور دوسرے لوگوں کے ساتھ بھی گرم جوشی والے تعلقات برقرار نہیں رہتے۔

یہ ساری صورتیں افراط وتفریط اور عدمِ توازن کی ہیں جو زندگی کے اندر کئی قسم کی ناہمواریاں، کجیاں، کمیاں اور خامیاں پیدا کر دیتی ہیں، جن کے نتیجے میں زندگی محرومیوں، مایوسیوں، ناکامیوں اور نامرادیوں کا مرقع بن کر رہ جاتی ہے لہٰذا اپنی صلاحیتوں سے بھرپور کام لینے اور ایک مکمل اور فعال زندگی بسر کرنے کے لیے زندگی کے چاروں حصوں میں توازن قائم رکھنا بہت ضروری ہے۔

ہمارے دین کے اندر اعتدال، توازن اور میانہ روی کی روش کو اپنانے کی بہت زیادہ تلقین کی گئی ہے۔ زندگی کا سارا حسن ہی توازن میں ہے۔ اعتدال و توازن جس بھی معاملے میں آجائیں اُس میں خوبصورتی اور بہتری پیدا ہو جاتی ہے۔ ورنہ اکثر و بیشتر زندگیاں کہیں نہ کہیں عدمِ توازن کا شکار ہوتی ہیں۔ بعض بہت سارے ایسے لوگ جو کسی نہ کسی فن کے حوالے سے شہرت کی بلندیوں پر فائز ہوتے ہیں، اُن کی اندرونی زندگیوں میں جھانکنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ زندگی کے بعض شعبوں مثلاً عائلی اور خاندانی زندگی وغیرہ جیسے شعبوں میں کتنے ناکام ہیں۔ اُس کی وجہ ہی یہ ہوتی ہے کہ اُنہوں نے زندگی کے ایک/ دو پہلوؤں پر اتنی زیادہ توجہ دی ہوتی ہے کہ دوسرے پہلو نظرانداز ہو جاتے ہیں اور اُس کے نتیجے میں زندگی عدمِ توازن کا شکار ہو جاتی ہے اور یوں بعض محاذوں پر کامیاب ہو جانے کے باوجود زندگی کو مجموعی طور پر کامیاب کہنا مشکل ہوتا ہے۔

تاریخ انسانی کے اندر جو لوگ حقیقی معنوں میں کامیاب و کامران دکھائی دیتے ہیں یہ وہی لوگ ہیں جو اپنی شخصیت کے تمام حصوں کو متوازن انداز میں استعمال کر رہے ہوتے ہیں۔ اُن میں سرفہرست انبیائے کرام علیہم السلام کی شخصیات ہیں جو زندگی گزارنے کے قوانین وحی کی صورت میں براہ راست ذاتِ خداوندی سے لیتے ہیں۔ چنانچہ اُن کی زندگیاں افراط وتفریط اور ہر قسم کی بے اعتدالیوں سے پاک ہوتی ہیں اور ہر چیز اپنے مقام پر دکھائی دیتی ہے۔ پھر اس گروہِ انبیا میں سے بھی نکتہ کمال جسے پوری انسانیت کے لیے انتہائی مثالی نمونہ (Roll Model) قرار دیا جاسکتا ہے۔ وہ حضور نبی اکرم صلیٰ اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارکہ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارکہ صرف کمال کے معیار پر پوری ہی نہیں اُترتی بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات خود کمال کا معیار ہے۔ چنانچہ آپ کی زندگی کے اندر مذکورہ بالا تمام شعبوں میں کمال کا توازن دکھائی دیتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جسمانی زندگی کا یہ حال تھا کہ تریسٹھ سال کی عمر مبارک میں آپ کو ایک دو مرتبہ بخار کے علاوہ اور کوئی مرض بھی نہ آیا۔ یہی حال آپ کی شخصیت مبارکہ کے ذہنی، قلبی اور روحانی پہلوؤں کا تھا کہ وہ سب کے سب حد درجہ توازن کے ساتھ اپنی بہترین حالت میں موجود تھے اور فطری انداز میں ترقی اور ارتقا کی منزلیں طے کر رہے تھے لہٰذا آج اگر کوئی کسی بھی حوالے سے کمال پانا چاہتا ہے تو اُسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت وسیرت کے اندر جھانک کر دیکھنا ہوگا اور اپنی زندگی کی راہوں کو روشن اور منور کرنے اور اپنی جسمانی، ذہنی، قلبی، اور روحانی صلاحیتوں کی متوازن تجدید کے لیے بارگاہ نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روشنی کی خیرات حاصل کرنا ہوگی۔

سطور بالا سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ دین، دنیا اور آخرت کی جملہ سعادتوں اور بھلائیوں کے حصول اور زندگی کے دامن کو حقیقی، خوشیوں، راحتوں، مسرتوں، کامیابیوں اور کامرانیوں سے بھرنے کے لیے ہماری شخصیت کے چاروں پہلوؤں کی متوازن انداز میں تجدید ہوتے رہنا بہت ضروری ہے اور یہ کوئی ایک یا دو دن کا کام نہیں ہے بلکہ دوسرے تمام مشاغل حیات کے ساتھ ساتھ اس عمل کو زندگی بھر جاری رہنا ہے۔ ان چاروں پہلوؤں کی متوازن تجدید کس طرح ممکن ہے۔ اب ہم اس کے چند اہم اُصولوں پر گفتگو کریں گے۔

طبعی پہلو کی تجدید:

ہمارا جسم قدرت کا بنایا ہوا انمول ترین شاہکار ہے جو مختلف ظاہری و باطنی اعضا کا حسین وجمیل مرقع ہے۔ اس جسم کا صحت منداور تندرستی کی حالت میں ہونا بہت ضروری ہے۔ جسمانی صحت کی خرابی کی صورت میں کسی بھی کام کو خوش اسلوبی سے پایۂ تکمیل تک پہنچانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ جسمانی صحت ایک بہت بڑی نعمت ہے جس کی قدر کی جانی چاہیے۔ اسلام کے اندر بھی شخصیت کی قدروقیمت کے تعین میں جسمانی صحت کو خاصی اہمیت دی گئی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

المومن القوی احب الی اللہ من المومن الضعیف

طاقت ور مومن کمزور مومن کی نسبت اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے۔ (مسلم: حدیث ۲۶۶۴)

بنی اسرئیل کی فرمائش پر اُن کے نبی نے جہاد کے لیے طالوت کو اُن کا امیر مقرر کیا تو اُن کے تقرر کی وجہ سے بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ

اللہ تعالیٰ نے اُسے علم اور جسم کے معاملے میں فراخی عطا فرمائی ہے۔ (البقرہ: آیت ۲۴۷)

یہاں علم کے ساتھ ساتھ جسمانی صحت کو قیادت کے اوصاف میں سے ایک وصف مانا گیا ہے۔ اسی طرح حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹیوں نے اپنے والد سے حضرت موسیٰ کو کام پر رکھنے کی سفارش کرتے ہوئے کہا:

اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ

بے شک جو بہتر ملازم تو رکھنا چاہے، وہ ہے جو طاقت ور اور دیانت دار ہو۔ (القصص: آیت ۲۶)

یہاں بھی دیانت داری کے ساتھ جسمانی صحت وطاقت کو ذمہ داری کی اہلیت کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

نعمتان مغبون فیهما کثیر من الناس الصحة و الفراغ

''دو نعمتیں ایسی ہیں جن کے متعلق لوگوں کی اکثریت خسارے میں رہتی ہے وہ ہیں صحت اور فراغت''۔ (بخاری: حدیث ۶۰۴۹)

معلوم ہوا جسمانی صحت کا ہونا اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے جس کی قدر کرنی چاہیے۔ قدر کرنے سے مراد ایک طرف تو اس سے بھرپور فائدہ اُٹھانا ہے اور دوسری طرف حتیٰ الوسع اس کی حفاظت کرنا ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ لوگوں کی اکثریت عام طور پر اس کی قدروقیمت میں لاپرواہی کا مظاہرہ کرتی ہے۔

جس طرح دنیا کی کسی بھی مشینری کو صحت مند حالت (Working Condition) میں رکھنے کے لیے اُس کی ضروریات کا خیال رکھنا اور مناسب نگہداشت کرنا ضروری ہے اسی طرح ہمارے جسم کی مشینری کو بھی صحت مند اور توانا حالت میں رکھنے کے لیے حفظان صحت کے درج ذیل اُصولوں کو ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے:

متوازن غذا

ورزش

مناسب نیند

کام اور آرام میں توازن

ان چار اصولوں پر عمل درآمد سے ہی ہماری طبعی تجدید ممکن ہے۔ بصورت دیگر ہم کبھی بسیار خوری، کبھی مناسب خوراک نہ ملنے، کبھی سستی وکاہلی کی وجہ سے زیادہ نیند لینے، کبھی مصروفیات کے باعث ضرورت سے کم نیند لینے، کبھی ورزش نہ کرنے اور کبھی کام کی زیادتی کی وجہ سے اپنی جسمانی صلاحیتوں کو ختم کرتے رہیں گے اور زندگی کے دیگر معاملات کی انجام دہی میں مسائل کا شکار ہوجائیں گے۔

ذہنی پہلو کی تجدید:

آج کمپیوٹر کا دور ہے۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ وسیع سے وسیع رینج کے کمپیوٹر معرض وجود میں آ رہے ہیں مگر سائنس اپنی تمام تر ترقیوں کے باوجود ابھی تک کوئی ایسا کمپیوٹر ایجاد نہیں کرسکی جو خالقِ

کائنات کے بنائے ہوئے کمپیوٹر (انسانی ذہن) کا مقابلہ کر سکے۔ انسانی دماغ میں کھربوں کی تعداد میں خلیے (Cells) پائے جاتے ہیں جو بے حد وحساب معلومات کو اپنے اندر جمع کر سکتے ہیں۔ ایک طرف تو انسانی ذہن کی وسعتوں کی کوئی حد نہیں ہے اور دوسری طرف معلومات کی بھی کوئی حد نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں گود سے لے کر گور تک یعنی ساری زندگی ہی حصولِ علم میں مشغول رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔

سقراط کا قول ہے کہ ''علم وحکمت اُس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک اُسے حاصل کرنے کی اتنی ہی شدید خواہش نہ ہو جتنی شدید دم گھٹنے کے ماحول یا پانی میں ڈوبے ہونے کے وقت سانس لینے کی خواہش ہوتی ہے''۔ گویا علم وحکمت اور دانش بیٹھے بٹھائے آسانی سے حاصل نہیں ہوجاتی بلکہ اس کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے اور قیمت کے اندر پہلی چیز اس کے لیے ایک سچی طلب اور آرزو کا ہونا ہے اور پھر اُس کے مطابق محنت کرنا ہے۔

اپنے رجحان اور مزاج کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنی پسند کے شعبے میں حتی الوسع علم کے آخری درجے (Ph.D وغیرہ) تک جانے کی کوشش کرنی چاہیے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی خیال رکھنا چاہیے کہ علم صرف وہی نہیں ہے جو اسکول وکالج سے حاصل ہوتا ہے بلکہ علم کے اور بھی بے شمار ذرائع ہیں اور یہ زندگی بھر کا عمل ہے اسکول وکالج سے فراغت کے بعد تیزی سے بدلتی ہوئی اس دنیا میں اپنے علم کی تجدید کرتے رہنا چاہیے۔ علم کے حوالے سے اس بات کو جاننا بھی اہم ہے کہ اسلام جہاں بھی علم کی بات کرتا ہے اُس سے مراد علم نافع ہی ہوتا ہے۔ قطع نظر اس سے کہ وہ قران و حدیث کا علم ہے یا سائنس اور ٹیکنالوجی وغیرہ کا لہٰذا انسان کو ذہنی پہلو کی تجدید کرتے ہوئے اپنے علم میں مسلسل اضافہ کرتے رہنا چاہیے۔ علم میں اضافہ کے لیے بہت سارے ذرائع ہیں۔ اپنے حالات کے مطابق حکمت اور دانشمندی سے کام لیتے ہوئے جو طریقے بھی مناسب لگیں اُن کے ذریعے اپنی شخصیت کے ذہنی پہلو کی تجدید کرتے رہنا چاہیے۔

قلبی پہلو کی تجدید:

انسان کے سینے میں بائیں طرف گوشت کا ایک لوتھڑا ہے جس کا طبی نقطہ نظر سے کام تو سارے جسم میں خون کو پمپ کرنا ہے مگر اسی دل کا ایک دوسرا اہم ترین کردار (Function) یہ بھی ہے کہ یہ ہماری جذباتی زندگی کا مرکز ومحور ہے۔ ہمارے جذبات جو زندگی کی گاڑی کے لیے ایندھن کا کام دیتے ہیں، وہ یہیں پر پیدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ ہر قسم کے اچھے اور بُرے جذبات مثلاً محبت، نفرت، غصہ، عداوت، انتقام، ایثار وقربانی وغیرہ یہیں دل میں پیدا ہوتے ہیں اور پھر دماغ میں پیدا ہونے والے خیالات پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شخصیت کی اصلاح کا نکتہ آغاز دل کو قرار دیا ہے۔ ہمارے جذبات کا بہت گہرا تعلق ہماری سماجی اور معاشرتی زندگی کے ساتھ ہے۔ جس طرح کے ہمارے دل میں جذبات ہوتے ہیں اُسی کے مطابق ہم دوسروں کے ساتھ برتاؤ کرتے ہیں۔ اور کامیاب زندگی کے لیے ہماری سماجی اور معاشرتی زندگی کا خوشگوار ہونا بہت ضروری ہے بالفاظ دیگر دوسرے لوگوں کے ساتھ ہمارے باہمی تعلقات کا خوشگوار ہونا کامیاب زندگی کے لوازمات میں سے ایک اہم تقاضا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **التودد الی الناس نصف العقل**

''لوگوں کے ساتھ پیار ومحبت سے رہنا آدھی عقل مندی ہے''

(تاریخ مدینہ ودمشق: ابن عساکر، ص ۳۶۰، ۳۶۱)

لہٰذا کامیاب زندگی گزارنے کے لیے جہاں صحت مند جسم اور ترقی یافتہ ذہن کا ہونا ضروری ہے وہاں تربیت یافتہ دل کا ہونا بھی بہت ضروری ہے۔ جب تک انسان اپنے جذبات پر قابو نہیں پائے گا اور اُن کی تہذیب واصلاح نہیں کرے گا تب تک وہ علمی طور پر کتنے ہی بلند درجے پر کیوں نہ پہنچ جائے وہ دوسرے لوگوں کے ساتھ خوشگوار تعلقات کو برقرار نہیں رکھ سکے گا۔ جذبات پر قابو نہ ہونے کی صورت میں ذرا ذرا سی بات پر اُس کے اندر غصہ کی آگ بھڑک اُٹھے گی جو جھگڑوں اور بحث وتکرار کا باعث بنے گی اور یوں زندگی کا مزا کرکرا ہوتا چلا جائے گا۔ چنانچہ کامیاب اور خوشگوار زندگی کے لیے اس پہلو پر توجہ دینا بھی ضروری ہے۔ اگر یہ پہلو نظر انداز ہو جائے تو پھر جسمانی اور ذہنی سطح پر انسان جتنی مرضی کامیابیاں حاصل کرتا چلا جائے وہ زندگی سے صحیح معنوں میں لطف اندوز نہیں ہو سکے گا۔

جس طرح کھیت کے اندر مطلوبہ فصل کے ساتھ ساتھ کچھ خود رو

قسم کی جڑی بوٹیاں خود بخود اُگ آتی ہیں جو فصل کے لیے نقصان دہ ہوتی ہیں۔ کامیابی کا راز اس میں ہوتا ہے کہ اُن جڑی بوٹیوں کو ساتھ ساتھ تلف کر دیا جائے۔ یہی حال دل کی سرزمین کا بھی ہے۔ اس میں پسندیدہ اور اچھے اوصاف کے ساتھ ساتھ کچھ ناپسندیدہ اور بُرے اوصاف مثلاً حسد، بغض، کینہ، نفرت، انتقام وغیرہ کی جڑی بوٹیاں خود بخود ہی اُگ آتی ہیں اور پروان چڑھتی چلی جاتی ہیں۔ اگر دل کی سرزمین سے اِن گندے پودوں کو تلف نہ کیا جائے تو یہ ہماری شخصیت کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیتے ہیں اور دوسروں کے ساتھ ہمارے تعلقات کو بھی بہت متاثر کرتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں زندگی جہنم بن جاتی ہے۔ ہمارے لیے بہت ضروری ہے کہ غور وفکر اور بعض دیگر مناسب تدابیر کے ذریعے ان ناپسندیدہ اوصاف سے دلوں کو پاک کریں۔

روحانی پہلو کی تجدید:

جسم اس مادی دنیا کا بنا ہوا ہے لہٰذا اُس کی غذائیں بھی مادی دنیا سے تعلق رکھتی ہیں لیکن روح عالم امر کی چیز ہے اس لیے اُسے ان غذاؤں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ روح کی غذاؤں کا تعلق اللہ کی محبت، اُس کی یاد، اُس کے قرب، اُس کی اطاعت میں ہے۔ جسم اور جسم کے تقاضے دکھائی دیتے ہیں اور محسوس ہوتے ہیں اس لیے انسان ان کی تکمیل کے لیے فوراً متحرک ہو جاتا ہے لیکن روح خود بھی مخفی ہے اور اُس بنا پر اُس کے تقاضے بھی مخفی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انسان بالعموم روح کے تقاضوں کو فراموش کیے رکھتا ہے۔ جس کی وجہ سے انسان کا جسم موٹا ہوتا چلا جاتا ہے مگر روح سکڑتی چلی جاتی ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ آخرت تو جو برباد ہونا ہوتی ہے وہ ہوتی ہی ہے دنیوی زندگی بھی تلخیوں، محرومیوں اور اُداسیوں کا مرقع بنتی چلی جاتی ہے۔

انسان اپنی شخصیت کے دیگر گوشوں پر جتنی بھی توجہ دے لے، جب تک روح کو نظر انداز کرے گا اُس کی زندگی میں ایک خلا باقی رہے گا۔ روح کی ویرانیوں کو دور کیے بغیر زندگی کے دامن کو حقیقی خوشیوں اور مسرتوں سے نہیں بھرا جاسکتا لہٰذا ہمارے لیے بہت ضروری ہے کہ ہم اپنی شخصیت کے اس اہم ترین حصے کی ضروریات کو بھی محسوس کریں اور اُنہیں پورا کرتے ہوئے اس کی بھی تجدید ساتھ ساتھ کرتے رہیں۔ اس مقصد کے لیے اسلام نے ایک مکمل اور جامع نظام دیا ہے جس میں ایمانیات بھی ہیں، عبادات بھی ہیں، معاملات بھی ہیں، اخلاقیات بھی ہیں۔ نیکی کا جو کام بھی ہم اللہ کا حکم سمجھ کر بجا لاتے ہیں وہ بذریعہ جسم ہی سرانجام پاتا ہے مگر اُس کا براہ راست خوشگوار اثر روح پر پڑتا ہے۔ اس کے برعکس ہر وہ کام جس سے اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے اُسے گناہ کہتے ہیں۔ ایسا کوئی بھی کام کرنے سے روح پر بُرا اثر پڑتا ہے۔ پھر اگر توبہ کر لی جائے تو روح اُس اثر سے آزاد ہو جاتی ہے ورنہ اُسی حالت میں رہتی ہے۔ اسی طرح اچھے بُرے کاموں کے اثرات روح پر پڑتے رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ موت آجاتی ہے اور موت کے وقت روح جس حالت میں یہاں سے جاتی ہے اُسی کے مطابق قبر اور حشر میں اُس کے ساتھ اچھا یا بُرا سلوک ہونا ہوتا ہے۔

روح کا نمائندہ ضمیر کی صورت میں ہمارے اندر موجود ہوتا ہے۔ جب ہم برائی کرنے لگتے ہیں تو ضمیر احتجاج کرتا ہے۔ اگر ہم اکثر و بیشتر اُس کی بات مان کر رُک جائیں تو ضمیر کی آواز توانا ہوتی چلی جاتی ہے اور اُس کے لیے آئندہ ہمیں گناہوں سے روکنا آسان ہو جاتا ہے لیکن جب کوئی شخص اکثر و بیشتر ضمیر کی آواز کو نظر انداز کرتا ہے تو رفتہ رفتہ یہ آواز مدہم ہوتی چلی جاتی ہے اور بالآخر تقریباً ختم ہو جاتی ہے اور پھر اُس وقت اُس کی نظروں میں نیکی اور برائی کے درمیان تمیز تقریباً ختم ہو جاتی ہے۔ یہ صورت حال کسی بھی شخص کے لیے دنیا اور آخرت دونوں جگہوں پر ذلت ورُسوائی اور تباہی و بربادی کا سبب بن جاتی ہے لہٰذا اگر ہم دنیا اور آخرت دونوں کی سعادتیں اور بھلائیاں حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنے ضمیر کی آواز پر کان دھرنا ہوگا۔ اپنے آپ کو ہر اُس کام سے بچانا ہوگا جو روح کو نقصان پہنچانے والا ہے اور اُن کاموں کو کثرت سے بجا لانا ہوگا جو روح کی بالیدگی کا باعث بنتے ہیں۔ روح اگر زندہ اور تروتازہ ہوگئی، گناہوں کے میل کچیل سے پاک صاف ہوگئی تو دنیا سے آخرت تک کے سفر کے سارے مراحل آسان ہوتے چلے جائیں گے۔ روح کا اثر اس دنیا میں ہی نہیں بلکہ مرنے کے بعد بھی جسم کو گلنے سڑنے سے محفوظ رکھے گا۔ اور انسان کو مرنے کے بعد بھی مرنے نہیں دے گا۔ یہی ایک بندۂ مومن کی زندگی کا منتہائے کمال ہے۔

●●

تحریر: مفتی علی جمعہ (سابق مفتی اعظم مصر)
ترجمہ وترتیب: شاہد رضا نجمی ازہری

کیا امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک قاہرہ میں مدفون ہے؟

سوال: کیا امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک قاہرہ، مصر میں مدفون ہے؟

جواب: اولا یہ جان لیں کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کے سر مبارک کا قاہرہ، مصر میں مدفون ہونا ایک تاریخی معاملہ ہے۔ شرعی معاملہ نہیں ہے کہ لوگوں پر اس کا اعتقاد رکھنا واجب وضروری ہوجائے۔ اس کے تسلیم وانکار پر ایمان وکفر کا مدار نہیں ہے۔ اس کو یوں سمجھیں کہ اگر کوئی شخص کہے کہ ''اہرامات'' مصر میں نہیں ہیں، بلکہ کسی دوسرے ملک میں ہیں، تو کیا اس کی تکفیر کی جائے گی؟ ہرگز نہیں۔ وہ تو محض حقیقت سے ناواقف ونا آشنا کہلائے گا۔

مؤرخین اور سیرت کی کتابوں کا اس پر اتفاق ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کا جسد اطہر کربلا شریف میں مدفون ہے۔ سر مبارک کو اولا مختلف مقامات پر لے جایا گیا، پھر شہر عسقلان (فلسطین) میں محفوظ رکھا گیا۔ اخیر میں مصر منتقل کردیا گیا۔ مؤرخین کی ایک بڑی جماعت کا یہی موقف ہے۔ جیسے:

(۱) شیخ ابوعبداللہ ابن میسر مصری [م: ۶۷۷ھ]
(۲) شیخ ابوالعباس قلقشندی [م: ۸۲۱ھ]
(۳) علی بن ابوبکر، المعروف سائح ہروی [م: ۶۱۱ھ]
(۴) ابوالبرکات ابن ایاس حنفی مصری [م: ۹۳۰ھ]
(۵) یوسف بن عبداللہ المعروف سبط جوزی [م: ۶۵۴ھ]
(۶) حافظ شمس الدین سخاوی [م: ۹۰۳ھ] وغیرہ۔

معروف تاریخ نویس شیخ تقی الدین مقریزی (م: ۸۴۵ھ) لکھتے ہیں:

بروز یک شنبہ ۸/ جمادی الآخر ۵۴۸ھ/ ۳۱/ اگست ۱۱۵۳ء میں امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک عسقلان سے قاہرہ منتقل کیا گیا۔ اور یہ منتقلی عسقلان کے والی امیر سیف المملکۃ تمیم کے زیر نگرانی ہوئی۔ ۱۳/ جمادی الآخر ۵۴۸ھ / ۲/ ستمبر ۱۱۵۳ء کو امیر سیف المملکۃ سر مبارک لے کر اپنے محل حاضر ہوئے۔ پھر استاذ مکنون بذریعۂ کشتی باغ ''کافوری'' لے کر آئے۔ جس کے بعد سرنگ کے راستے سے اسے ''قصر زمرد'' تک لے جایا گیا اور پھر ''دہلیز خدمت'' نامی مقبرے کے دروازے پر ''دیلم'' کے گنبد میں سر مبارک کو دفن کردیا گیا۔ (''دیلم'' قدیم قاہرہ کا ایک علاقہ ہے۔) شیخ طلائع نے (دولت فاطمیہ کا ایک زیرک وفقیہ وزیر) ''درب احمر'' کے نزدیک ''باب زویلہ'' کے باہر سر مبارک سے منسوب ایک مسجد تعمیر کی، جو ''جامع الصالح طلائع'' کے نام سے معروف ہوئی۔ (اور اب ''مسجد امام حسین'' کے نام سے مشہور ہے) اسی مسجد میں لکڑی کے تختوں پر سر مبارک کو غسل دیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ سر مبارک اب بھی اسی مسجد میں موجود ہے۔ (تاریخ المقریزی، ۱۷۱/۲)

آثار قدیمہ کے محققین بھی اسی کی تائید کرتے ہیں۔ معروف محققہ سیدہ عطیات شطوی کہتی ہیں کہ امام حسین کا سر مبارک ۸/ جمادی الآخر ۵۴۸ھ/ ۳۱/ اگست ۱۱۵۳ء، بروز یک شنبہ امیر سیف المملکۃ تمیم کی نگرانی میں عسقلان سے قاہرہ منتقل کیا گیا اور امیر سیف المملکۃ ۱۳/ جمادی الآخر ۵۴۸ھ/ ۲/ ستمبر ۱۱۵۳ء کو اپنے محل لے کر حاضر ہوئے۔ جیسا کہ مؤرخ مقریزی کا موقف ہے۔

محققین نے لندن میں واقع برطانوی میوزیم سے ابن اورق (م: ۵۷۲ھ) کی کتاب ''تاریخ آمد'' کے ایک قلمی مخطوطے کی بازیافت کی ہے۔ یہ مخطوطہ ۵۶۰ھ کا ہے اور برطانوی میوزیم میں ''نمبر: ۵۸۰۳ شرقیات'' کے تحت محفوظ ہے۔ ابن اورق نے اس مخطوطے میں مستند دلائل کے ذریعے یہ ثابت کیا ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک ۵۴۹ھ میں مصر منتقل کیا گیا۔ یہ زمانہ خود ابن اورق کا تھا اور سر مبارک کا استقبال کرنے والی جماعت میں ابن اورق بذات خود شریک تھے۔

جامعہ ازہر، قاہرہ کے سابق شیخ فقیہ عبد اللہ شبراوی (م:

۱۱۷۱ھ) نے ’’الاتحاف‘‘ نامی ایک کتاب تالیف کی ہے، جس میں انھوں نے دلائل کے ذریعے سر مبارک کا قاہرہ میں موجود ہونا ثابت کیا ہے اور اپنی ہم نوائی میں کثیر ائمہ کے اقوال بھی ذکر کیے ہیں، جن میں بعض نمایاں نام یہ ہیں:

(۱) ابو الفضل یوسف بن محمد تُوزری [م: ۵۱۳ھ] ابن نحوی کے نام سے مشہور ہیں۔

(۲) قاضی عبد الرحیم بیسانی [م:۵۹۶ھ]

(۳) ابو الخطاب ابن دحیہ کلبی اندلسی [م: ۶۳۳ھ]

(۴) امام محدث زکی الدین منذری [م:۶۵۶ھ]

(۵) امام مجد الدین اسماعیل بن عثمان [م:۶۶۹ھ]

(۶) قاضی محی الدین ابن عبد ظاہر مصری [م:۶۹۲ھ]

(۷) شیخ ابو المواہب شاذلی تونسی [م:۸۸۲ھ]

(۸) شیخ سراج الدین محمد بن عبداللہ رفاعی مخزومی [م: ۸۸۵ھ]

(۹) امام عبد الوہاب شعرانی [م: ۹۷۳ھ]

(۱۰) شیخ نجم الدین غیطی [م:۹۸۲ھ]

(۱۱) امام عبد الرؤف مناوی [م:۱۰۳۱ھ]

(۱۲) شیخ نور الدین اجھوری مصری [م:۱۰۶۶ھ]

(۱۳) شیخ مومن بن حسن شبنجی شافعی [م:۱۲۹۱ھ)

(۱۴) شیخ حسن عدوی [م: ۱۳۰۳ھ]

(۱۵) شیخ محمد بن بشیر [م: ۱۳۶۲ھ] محمد بلخوجہ کے نام سے زیادہ معروف ہیں۔

(۱۶) معروف شیعی مؤرخ باقر بن شریف قرشی [م:۱۴۳۳ھ]

فضیلۃ الشیخ محمد زکی الدین ابراہیم (م: ۱۴۱۹ھ) نے اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ تصنیف کیا ہے، جس کا نام ”**رأس الامام الحسین بمشهده بالقاهرة تحقيقا مؤكدا حاسما**“ ہے۔ یہ رسالہ دلائل و براہین سے بھرپور ہے، جسے پڑھنے کے بعد اطمینان قلبی ضرور حاصل ہوجاتا ہے۔

اس مختصر وضاحت سے جمہور مؤرخین کے اختیار کردہ موقف پر دل مطمئن ہوجاتا ہے کہ امام حسین کا سر مبارک قاہرہ میں ہی موجود ہے اور پورا قاہرہ اس کے انوار و تجلیات سے روشن و منور ہے۔ والحمد للہ رب العالمین۔ واللہ تعالیٰ اعلیٰ واعلم۔

(یہ مضمون سابق مفتی اعظم مصر مفتی علی جمعہ زید مجدہ کے مجموعۂ فتاویٰ ”**البيان لما يشغل الاذهان**“ سے ماخوذ ہے۔)

●●

(بقیہ ص ۱۵ کا)

(۳۰) کتب اعراب الحدیث:

حدیث کی ایسی کتب جن میں حدیث کے مشکل مفردات اور جملوں کی نحوی و لغوی تشریح اور وضاحت کی جائے۔

(۱) اعراب الحدیث النبوی الامام ابو البقاء عبداللہ بن الحسین العکبری (۶۱۶ ہجری)

اس کتاب میں، کتاب جامع المسانید ابن الجوزی کے جملوں کی نحوی و لغوی تشریح کی گئی ہے۔ علامہ ابن جوزی کی یہ کتاب زیادہ تر احادیث مسند احمد، صحیح البخاری، وصحیح مسلم، وجامع الترمذی پر مشتمل ہے۔

(۲) شواہد التوضیح والتصحیح لمشکلات الجامع الصحیح الامام ابی عبداللہ محمد بن جمال الدین بن مالک (۶۷۲ ہجری)

اس کتاب میں صحیح بخاری کے مشکل جملوں کی نحوی و لغوی تشریح کی گئی ہے۔

(۳) عقود الزبرجد علی مسند الامام احمد حافظ السیوطی (۹۱۱ ہجری)

اس کتاب میں مسند احمد کی احادیث کے مشکل جملوں اور مفردات کی نحوی و لغوی تشریح کی گئی ہے۔

(۳۱) کتب الطب النبوی:

حدیث نبوی کی ایسی کتب جو ایسی احادیث پر مشتمل ہیں جن میں کسی مرض کا علاج بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً

(۱) کتاب الطب لامام حافظ ابو نعیم الاصبہانی (۴۳۰ ہجری)

(۲) کتاب الطب من الکتاب والسنۃ علامۃ موفق الدین بن عبد اللطیف البغدادی (۶۲۹ ہجری)

(۳) کتاب الطب النبوی علامۃ ابن القیم الجوزی (۷۵۱ ہجری)

(۴) مختصر فی الطب النبوی الحافظ السیوطی (۹۱۱ ہجری)

●●

پیش کش: محمد ظفرالدین برکاتی

مفتی ارشاد احمد ساحل شہسرامی مصباحی

مفتی ارشاد احمد رضوی ساحل شہسرامی یقیناً اہل سنت کی ضرورت تھے، وہ جماعت کے ان گنے چنے افراد میں تھے جن پر دنیائے علم وادب کو فخر اور ناز ہے

مفتی ارشاد احمد رضوی مصباحی کا انتقال اہل سنت کے علمی حلقوں کے لیے بڑا خسارہ ہے۔ ایک باصلاحیت عالم، محقق، مصنف، ترجمہ نگار، مدرس، فقیہ، صحافی اور شاعر، جس حیثیت سے انہیں پڑھیں ان کی شخصیت نمایاں نظر آئے گی۔ مفتی ارشاد احمد بن اشفاق احمد رضوی بن وصی احمد حبیبی، وصی منزل، محلہ مدار دروازہ، شہسرام، (بہار) کے رہنے والے تھے۔ وہ سہسرام کو شہسرام لکھتے اور بولتے تھے۔ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے قابل ذکر فارغین میں تھے۔ غالباً ۱۹۸۷ء میں جب میں جامعہ اشرفیہ میں درجۂ اولیٰ میں داخل ہوا اس وقت مفتی صاحب جماعت رابعہ میں تھے۔ دوران طالب علمی ہی میں ان کی ذہانت اور کامیابی کے تذکرے ہوتے تھے۔ جامعہ کے ممتاز طالب علموں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ اساتذہ کی نظر میں محبوب تھے، پڑھنے کے زمانے ہی سے عربی اور انگریزی بولنے کا شوق رکھتے تھے۔ یوم مفتی اعظم اور دیگر اجتماعات میں مقالے پڑھتے اور علمی مجالس میں شرکت کرتے تھے۔ شروع ہی سے کم سخن تھے، زیادہ تر وقت درس ومطالعہ میں گزرتا۔ ان کی جماعت کے چنندہ طلبہ میں مولانا غلام جیلانی مصباحی ازہری اور مولانا معین الدین مصباحی اشرفی بھاگلپوری وغیرہ تھے۔

مفتی ارشاد احمد صاحب نے جامعہ اشرفیہ سے ۱۹۹۳ء میں فضیلت اور ۱۹۹۵ء میں تحقیق فی الفقہ الحنفی کی تکمیل کی۔ اس کے بعد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی آ گئے۔ یہاں ۲۰۰۱ء میں عربی زبان و ادب سے پرائیویٹ ایم اے کیا۔ اسی دوران ’عرفان عرب‘ کے نام سے ۵۶۸ صفحات پر مشتمل زمانۂ جاہلیت سے لے کر دور حاضر تک کے عربی ادب کی تاریخ اور ایم اے کی عربی نصابی نظموں کا اردو ترجمہ کیا۔ یہ کتاب ۲۰۰۵ء میں منظر عام پر آئی اور عربی زبان وادب کے شائقین سے خوب پذیرائی حاصل کی۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں قیام کے دوران آپ نے کئی علمی اور تحقیقی کتابیں تصنیف کیں، کئی کتابوں کے ترجمے اور ترتیب کا کام انجام دیا۔ ’عرفان عرب‘ کے پیش لفظ میں ساحل صاحب نے خود ان کاموں کی تفصیل بیان کی ہے جو درج ذیل ہیں:

- شاہ حقانی کا اردو ترجمہ وتفسیر قرآن: ایک تحقیقی وتنقیدی جائزہ (صفحات ۶۰۰) سنہ ۲۰۰۲ء
- مولانا سید غیاث الدین حسن شریفی رضوی: حیات اور شاعری (صفحات ۲۴۸) سنہ ۲۰۰۲ء
- حضرات محدثین کے اخلاق کریمانہ (صفحات ۱۲۰) سنہ ۲۰۰۲ء
- کاشف الاستار شریف (ترجمہ و تقدیم) (صفحات ۸۰۰) سنہ ۲۰۰۳ء
- فتاوی ملک العلماء (ترتیب وتقدیم) (صفحات ۵۱۲) سنہ ۲۰۰۳ء
- النور والبهاء لاسانيد الحديث وسلاسل الاولياء (صفحات ۶۴) سنہ ۲۰۰۴ء
- مفتی مظفر احمد قادری داتا گنجوی: حیات وخدمات (صفحات ۱۱۲) سنہ ۲۰۰۴ء
- متنبی ایک تحقیقی مطالعہ (صفحات ۱۸۴) سنہ ۲۰۰۴
- ملک العلماء (صفحات ۲۸۰) سنہ ۲۰۰۵ء
- عرفان عرب (صفحات ۵۰۰) سنہ ۲۰۰۵
- ۲۰۱۰ء میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی شعبۂ عربی سے آپ کے مقالے کا عنوان تھا: مساهمة العلامة فضل حق الخير آبادی في الدراسات الاسلامية
- ۲۰۰۸ء سے ۲۰۱۴ء کے درمیان حضرت سید معین الحق جھونسوی الہ آبادی کی کتاب ’’منبع الانساب‘‘ کا فارسی سے اردو ترجمہ کیا۔ یہ کتاب مجموعی طور پر ۹۸۳ صفحات پر محیط ہے اور طبع ہو چکی ہے۔

علامہ میر غلام علی آزاد بلگرامی کی فارسی تصنیف ’’سند السعادات فی حسن خاتمۃ السادات‘‘ پر ترجمہ، تحشیہ اور تقدیم کا کام کیا۔ یہ کتاب 2015ء میں منظر عام پر آ چکی ہے۔

الحاصل مولانا ارشاد ساحل تصنیف وتالیف اور ترجمہ نگاری میں ایک مشین کی مانند تھے۔ مختلف زبانوں میں بولنے اور لکھنے کی کامل قدرت رکھتے تھے۔ بالخصوص عربی، فارسی، انگریزی کے ماخذ پر ان کی گہری نظر تھی۔ مطالعے کی وسعت کا اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے، اپنی کتاب 'عرفان عرب' کے پیش لفظ میں وہ خود لکھتے ہیں:

''۲۰۰۴ء کے وسط سے عرفان عرب کی تکمیل کی جانب خصوصی توجہ رہی لیکن مہجری ادب، ہندوستان میں عربی ادب اور عہد جدید کی تاریخ نے توقع سے زیادہ وقت لے لیا۔ ان چند سوصفحات کو ترتیب دینے میں مجموعی طور پر دو سال کا وقت لگا اور ۲۰ ہزار سے زائد صفحات کا بالاستیعاب مطالعہ کیا گیا، جزوی استفادے مستزاد ہیں- جانفشانی کے ساتھ ممکنہ ماخذ کو کھنگالنے کے بعد اس مجموعے نے بفضلہٖ تعالی اختصار اور جامعیت کی خوبیاں اپنے اندر پیدا کر لی ہیں۔ طلبہ صرف اس کتاب سے اپنی بیشتر نصابی ضرورتیں پوری کر سکتے ہیں۔''

مولانا موصوف کے اندر پڑھنے لکھنے کا ایسا شوق تھا کہ ہندوستان کی عظیم علمی درسگاہوں سے اکتساب فیض کے بعد بھی آپ کی علمی پیاس بجھی نہیں بلکہ جتنا پڑھا اس سے زائد کی جستجو میں سرگرم رہے۔ ۱۸ جولائی ۲۰۱۱ء کو علی گڑھ سے آپ بنگلور شفٹ ہوگئے۔ درحقیقت آپ انگریزی زبان وادب میں مزید مہارت حاصل کرنا چاہتے تھے اس کے لیے آپ نے انگلینڈ جانے کا پروگرام بنایا۔ پہلا مرحلہ قابل قبول حد تک انگریزی زبان پر عبور حاصل کرنے کا تھا جس کے لیے دو سال میں آپ نے IELTS کوالیفائی کیا لیکن ویزا نہ ملنے کی وجہ سے آپ کا یہ منصوبہ پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچ سکا۔

جامعہ اشرفیہ میں جس وقت آپ رابعہ، خامسہ میں تھے، قراءت پڑھی اور اپنے طور پر حفظ قرآن بھی کیا۔ مولانا موصوف کے اندر جس قدر خوبیاں تھیں، ان کو کسی ایک مضمون میں بیان کرنا ممکن نہیں۔ وہ اپنی جامعیت اور ہمہ جہتی کے لحاظ سے علم وفن کے مہر درخشاں تھے۔ ان کی ذات ایک جماعت تھی، وہ ایک لائبریری کی طرح تھے۔ نہایت مخلص، صوفی صافی، بے ضرر، بااخلاق، مذہب ومسلک کے پابند، علیگیرین ہونے کے باوجود مسلکی تشخص کو کبھی پامال نہیں کیا۔ حضور تاج الشریعہ، جانشین مفتی اعظم سیدی مرشدی علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں قادری علیہ الرحمہ کے دامن کرم سے وابستہ تھے۔ حضرت سے خلافت بھی حاصل تھی۔ بات جب کبھی حضرت تاج الشریعہ کی آتی تو 'اپنے حضرت' یا 'ہمارے حضرت' کہتے۔ تقریباً ہر سال عرس رضوی میں شرکت کرتے، کوئی پہچانتا ہے یا نہیں، کوئی پوچھے نہ پوچھے، ایک عام آدمی کی طرح مرکز میں حاضری دیتے، مرکز کے خلاف کبھی نہ بولتے اور نہ سنتے بلکہ اگر کبھی کوئی کچھ بولتا تو مرکز کی طرف سے جواب دیتے۔

فرائض وواجبات کے ساتھ نوافل اور اوراد ووظائف کے پابند تھے۔ بعد میں صوفیانہ طرز کے بال رکھ لیے تھے۔ کھانے پینے میں کافی محتاط تھے، سادہ کھانا تناول فرماتے، لباس اور چال ڈھال، رکھ رکھاؤ میں بڑی سادگی تھی۔ ان سے مل کر کوئی یہ نہ سمجھ پاتا کہ یہ ساحل صاحب ہیں، جب تک کہ بتایا نہ جاتا۔ ساحل صاحب اہل سنت کی ضرورت تھے۔ جماعت کے ان گنے چنے افراد میں تھے جن پر دنیائے علم وادب کو فخر اور ناز ہے۔ زندگی نے وفا نہ کی، زیادہ سے زیادہ پچاس باون سال عمر رہی ہوگی لیکن انہوں نے اپنی عمر کو ضائع اور بیکار نہیں کیا بلکہ ہر لمحے کو جینے اور کارآمد بنانے کی کوشش کی اور اس میں کامیاب ہوئے۔ آخر میں ممبئی کو اپنا مسکن بنایا لیکن روزی روٹی کی خاطر نہیں! وہاں بھی صرف پڑھنا لکھنا۔ جہاں صبح ہوئی پڑھائی شروع، جہاں شام ہوئی وہیں بستر جما دیا۔ پھول گلی دارالعلوم فیضانِ مفتی اعظم، رضا مسجد ممبئی میں اکثر ملاقات ہوتی تھی۔ کئی کئی روز قیام کرتے۔

ساحل صاحب ہمارے درمیان نہیں رہے لیکن علمی حلقہ انہیں کبھی فراموش نہیں کر پائے گا۔ ۱۷ محرم الحرام ۱۴۴۶ھ مطابق ۲۴ جولائی ۲۰۲۴ء بروز بدھ شام میں کرم فرما ڈاکٹر لائق علی صاحب کا گونڈہ سے فون آیا کہ مفتی ارشاد احمد رضوی ساحل شہسرامی دنیا میں نہ رہے۔ بعد میں میسیج دیکھا تو جناب محترم عبدالرحمن بھائی تابانی نے بھی مفتی صاحب کے انتقال کی خبر کو گروپوں میں شیئر کیا تھا۔ اللہ عزوجل حضرت کی قبر پر رحمتوں کی موسلا دھار بارش عطا فرمائے، آمین۔ ہری مشاہدی مسجد کھدرا لکھنو میں بعد نماز عشا آپ کی وفات حسرت آیات سے لوگوں کو مطلع کیا گیا اور دعائے مغفرت کی گئی۔ رب تعالیٰ ساحل صاحب کے تمام خطایا معاف فرمائے اور اپنے مقبول بندوں کی صف میں انہیں جگہ دے، ان کی دینی خدمات کو قبولیت کا شرف بخشے، آمین۔ غالباً بوقت صبح انتقال ہوا اور بعد نماز عصر آبائی وطن میں تدفین عمل میں آئی۔

●●

عظیم مائیں

عروہ فاطمہ قادری

ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

وہ عظیم صحابیہ جو علم و فضل میں حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بعد تیسرے نمبر پر ہیں

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے والد کا نام ابوسفیان بن حرب بن امیہ بن عبد شمس اور والدہ کا ام صفیہ بنت ابی العاص بن امیہ بن عبدالشمس بن عبد مناف تھا جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی پھوپھی تھیں۔ گویا حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ ''ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے سترہ سال قبل مکہ میں پیدا ہوئیں۔ اس وقت حضرت ابوسفیان صخر بن حرب کی عمر ۳۳ سال تھی۔ آپ کی کی پیدائش واقعہ فیل کے تیئس سال بعد ہوئی۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی ولادت کی خبر ان کے والد حضرت ابوسفیان کو جوں ہی ملی ،اس وقت آپ کے تاثرات کے بارے میں نواز رومانی اپنی تصنیف ''ازواج الرسول امہات المومنین'' میں یوں رقم طراز ہیں:

''گھر میں کئی عورتیں موجود تھیں ابوسفیان سیدھا اندر گئے جہاں ان کی بیوی صفیہ اپنی نومولود بیٹی کے ساتھ موجود تھیں۔ وہ بچی کی طرف دیکھنے لگے۔ صفیہ خاوند کے چہرے پر ابھرنے والے اتار چڑھاؤ کا جائزہ لے رہی تھیں۔ میرا دل کہتا ہے یہ بہت مبارک بچی ہے۔ صفیہ نے کہا: ہوں! ہاں ہاں! ابوسفیان خیالات سے چونکے۔ بھولپن کے ساتھ اس کے چہرے میں عجیب طرح کا نور جھلک رہا ہے۔ یقیناً یہ بچی میرے سب خاندان کے لیے باعث رحمت ثابت ہوگی۔

(ص ۴۸۷، ۴۹۷)

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا جن کا نام ان کے والد نے رملہ رکھا تھا، اپنے ماں باپ کی آنکھوں کا تارا تھیں۔ وہ ان کی تمام تر خواہشات کو پورا کرتے تھے اور ان کی چھوٹی سی تکلیف پر بھی دونوں پریشان ہوجاتے تھے لیکن بالغ ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے والدین کو ان کے لیے ایک اچھے رشتے کی بھی فکر لاحق ہوگئی تھی لہٰذا عبیداللہ بن جحش کے رشتے پر دونوں ماں باپ نے نہایت خوشی کا اظہار کیا۔

عبیداللہ بن جحش کے والدین کو جیسے ہی حضرت ابوسفیان کی بیٹی رملہ کے جوان ہونے اور دوسرے لوگوں کے رشتے بھیجنے کی اطلاع ملی تو انہیں بھی اپنے خوبصورت، نڈر اور نیک سیرت بیٹے کا رشتہ تمام سے موزوں ومناسب اور بہتر و برتر محسوس ہوا لہٰذا اس لیے ہاں کردی۔ یوں حضرت ابوسفیان کی چاندسی بیٹی رملہ کی شادی جحش بن رباب اور عبدالمطلب کی بیٹی امیم کے قابل فخر بیٹے عبیداللہ بن جحش کے ساتھ بڑے تزک واحتشام اور دھوم دھام سے ہوئی جس میں عرب کے تمام سرداران قبائل نے شرکت کی۔ تمام اکابرین اور زعما بھی شریک ہوئے۔(امہات المومنین: پروفیسر خالد پرویز،ص ۲۶۴)

کم عمری سے ہی عبیداللہ بن جحش تلاش حق میں اپنے تین ساتھیوں ورقہ بن نوفل، عثمان بن حویرث اور زید بن عمرو نفیل کے ساتھ نکلے مگر تینوں ساتھی عبیداللہ بن جحش سے بڑے تھے لہٰذا تھوڑے تھوڑے عرصے کے فاصلے سے اپنے معبود حقیقی سے جا ملے لیکن عبیداللہ بن جحش متواتر تلاش حق میں سرگرداں رہے اور بالآخر دین ابراہیم کا کھوج لگانے میں کامیاب ہوگئے کیونکہ آقا علیہ السلام نے نبوت کا اعلان فرمادیا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت وامانت تمام مکہ میں مشہور تھی۔ اس بنا پر وہ آقائے کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں حاضری کے لیے گھر سے حبشہ کی جانب نکلے۔ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رفقا وعشاق کے جھرمٹ میں تشریف فرما تھے۔ عبیداللہ اور رملہ کو آتے دیکھا تو چہرہ اقدس پر بشاشت نمودار ہوئی۔ وہاں تشریف فرما حضرات نے راستہ دے دیا، دونوں قدموں کے قریب جا کر بیٹھ گئے۔ کیسے آئے ہو؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مبارک لبوں کو جنبش دی۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! صدہا مقام شکر وامتنان ہوگا اگر ہمیں اپنی غلامی میں قبول فرمالیں۔ کس کی بیٹی ہو؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رملہ سے دریافت کیا۔ ابوسفیان صخر بن حرب کی۔ رملہ

نے عرض کیا۔تو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سن کر بے حد خوشی ہوئی اور پھر دونوں میاں بیوی کلمہ شہادت پڑھ کر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ وہاں موجود حاضرین کی بھی خوشی کا ٹھکانہ نہیں تھا۔

قبول اسلام کے بعد دونوں میاں بیوی نے ۶ بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حبشہ ہجرت کی۔ وہاں حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ زندگی نہایت خوش وخرم گزر رہی تھی لیکن کچھ عرصے بعد حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے ایک خواب دیکھا۔

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک رات انہوں نے خواب میں دیکھا کہ ان کے خاوند عبیداللہ بن جحش کا چہرہ بری طرح مسخ ہو چکا ہے۔ جب آنکھ کھلی تو بہت پریشان ہوئیں۔ چند دن بعد عبیداللہ بن جحش نے اپنی بیوی سے کہا کہ دیکھو میں پہلے نصرانی تھا پھر میں نے اسلام قبول کیا۔ یہاں حبشہ میں آکر میں نے محسوس کیا کہ نصرانیت ہی سب سے بہتر ہے لہٰذا میں نے دوبارہ نصرانیت اختیار کر لی ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ تم بھی نصرانیت قبول کرلو۔ یہی ہمارے لیے بہتر ہے۔ سیدہ رملہ بنت سفیان (ام حبیبہ رضی اللہ عنہا) نے خاوند کو اپنا خواب سنایا کہ شاید وہ ڈراؤنا خواب سن کر اپنے ارادے سے باز رہے۔ اس نے کوئی پرواہ نہیں کی بلکہ شراب نوشی شروع کر دی۔ ہر وقت شراب کے نشے میں دھت رہتا۔ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بہت پریشان ہوئیں کہ اب کیا ہوگا۔ دیار غیر میں اللہ تعالیٰ سے صبر و استقامت کی دعا مانگی۔ کچھ عرصے بعد کثرت شراب نوشی کی وجہ سے عبیداللہ بن جحش فوت ہو گیا۔

اس کٹھن دور میں آپ رضی اللہ عنہا کے پاس حبشہ میں سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا، سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا، سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا اور لیلیٰ رضی اللہ عنہا جیسی عظیم المرتبت خواتین سمیت ۱۶ خواتین رہیں جنھوں نے آپ رضی اللہ عنہا کو دلاسہ دیا لیکن حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اپنا زیادہ تر وقت یاد الٰہی میں صرف کرنے لگیں۔

مسند احمد میں بیان ہے کہ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بارہ رکعت نفل روزانہ پڑھے گا اس کے لیے جنت میں گھر بنایا جائے گا۔ چنانچہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اس کے بعد ساری زندگی کبھی ان نوافل سے ناغہ نہیں کیا۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے صبر واستقامت اور دین اسلام پر قائم رہتے ہوئے یاد الٰہی میں مشغول رہنے کے سبب رب کریم نے خواب میں انہیں ام المومنین ہونے کی خوشخبری عطا کی۔ آپ ایک رات محو استراحت تھیں کہ خواب دیکھتی ہیں کہ کسی نے آپ کو ام المومنین کہہ کر پکارا ہے۔ آنکھ کھلی تو طبیعت پر خوش گوار اور دل پذیر اثرات مرتب ہوئے۔ رگ وپے خوشی اور مسرت کی لہر دوڑ گئی اور انگ انگ انبساط سے بھر گیا۔ ان دنوں سردار الانبیاء حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کر چکے تھے۔ اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھی جا چکی تھی۔ ایک روز کسی نے رسول رحمت حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حبشہ میں آباد مہاجرین کے حالات سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ابوسفیان کی بیٹی حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا انتہائی مشکل اور کٹھن حالات سے دوچار ہے۔ رئیس خاندان کی چشم وچراغ کسمپرسی کے دن گزار رہی ہے۔ اس کا قصور محض اتنا ہے کہ اس نے دین اسلام کو دل وجان سے قبول کر لیا ہے۔ خاوند مرتد ہو کر فوت ہو گیا ہے۔ گود میں ایک چھوٹی سی بچی ہے لیکن صبرو استقامت کے ساتھ حالات کا مقابلہ کر رہی ہے، رشتہ دار بھی اس کی خبر نہیں لیتے کیونکہ وہ مسلمان ہے۔ وہ ہماری امداد اور اعانت کی مستحق ہے۔ رحمت للعالمین حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی حالت زار کے بارے میں سنا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی مدد اور داد رسی کے لیے بےنظیر و بےمثال ترکیب سوچی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک صحابی حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہا کو شاہ حبشہ نجاشی کے دربار میں ایک مراسلہ دے کر روانہ کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مراسلے میں لکھا تھا کہ اگر ام حبیبہ رضی اللہ عنہا پسند کرے تو اس کا نکاح میرے ساتھ کر دیا جائے۔

جس روز صبح کے وقت حضرت ام حبیبہ کے پاس کنیز ابرہہ کو بھیج کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضامندی حاصل کی گئی۔ اسی روز شام کے وقت حبشہ کے بادشاہ اصحمہ نجاشی نے حضرت جعفر بن ابی طالب کو پیغام دیا کہ اپنے تمام مسلمان احباب کو لے کر میرے پاس تشریف لائیں۔ جب شام ہوئی تو حسب دعوت تمام پناہ گزیں مسلمان شاہی محل میں جمع ہو گئے۔ اس وقت ایک عجیب سماں تھا۔

بادشاہ نجاشی خوشی کے مارے پھولا نہیں سماتا تھا کہ اس کے دربار میں دو جہانوں کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ اس کے ہاتھوں انجام پذیر ہورہا تھا۔ اس کے لیے یہ بہت بڑی خوش بختی تھی کہ وہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وکیل کی حیثیت سے تاریخ کی بہت بڑی سعادت سے فیض یاب ہورہا تھا۔ سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور اظہار تشکر کے طور پر کنیز ابرہہ کو چاندی کے دو کنگن اور انگوٹھیاں انعام میں دیں۔

حضرت سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا، آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ نہایت خوش وخرم زندگی بسر کررہی تھیں لیکن چودہ سال کے عرصے کے بعد رب قادر نے باپ سے بیٹی کو ملوایا۔ بیٹی نے اپنے باپ کو حجرے میں آنے کی دعوت دی۔ حضرت ابوسفیان جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، جونہی بستر نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بیٹھنے لگے تو آپ نے فوراً بستر نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لپیٹ کر رکھ دیا۔

حضرت ابوسفیان نے نہایت حیرانی سے پوچھا کہ کیا تم نے اپنے باپ کو اس لائق بھی نہیں سمجھا کہ وہ بستر پر ہی بیٹھ سکے؟ حضرت ام حبیبہ نے اس وقت اپنے والد کو بڑا ہی ایمان افروز جواب دیا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بستر مبارک ہے اور آپ ابھی شرک کی نجاست سے آلودہ ہیں لہٰذا میں نہیں چاہتی کہ آپ کے بیٹھنے سے اس بستر کے تقدس میں فرق آئے۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یقیناً محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کی زندہ جاوید مثال تھیں کہ تم میں سے کوئی شخص مومن نہ ہوگا جب تک میری محبت اس کو، اس کی اولاد، والدین اور تمام لوگوں سے زیادہ نہ ہو۔

وقت گزرتا رہا اور ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اپنے محبوب شوہر آقائے نامدار سے حاصل کردہ علم وعرفان اپنے روحانی بیٹے، بیٹیوں میں تقسیم فرماتی رہیں۔ آپ سے ۶۵ احادیث مروی ہیں اور ان میں سے دو متفق علیہ ہیں۔ ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا علم وفضل اور فصاحت وبلاغت کے اعتبار سے اعلیٰ درجے پر فائز تھیں۔ امہات المومنین میں علم حدیث کے حوالے سے تیسرے درجے پر فائز تھیں کیونکہ پہلا درجہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور دوسرا درجہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا تھا۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے مدینہ منورہ میں ۴۴ ہجری کو ۷۴ سال کی عمر میں جام شہادت نوش فرمایا لیکن اپنے دائمی سفر پر جانے سے قبل آپ نے امہات المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت سیدہ ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا کو بلا بھیجا۔ جب وہ تشریف لائیں تو حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے ان سے مخاطب ہوکر کہا: مجھے ان امور میں معاف کردو جو ایک شوہر کی ازواج کے درمیان ہوجاتے ہیں لہٰذا جو کچھ میری جانب سے تمہارے متعلق واقع ہوا ہو اسے معاف کردو۔ (ازواج الرسول: ص ۵۱۹)

جیسا کہ ہم سب کو معلوم ہے کہ امہات المومنین تمام امت مسلمہ کی خواتین کے لیے مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہیں لہٰذا ان کے اسوہ حسنہ پر عمل پیرا ہوکر خواتین اپنی عائلی زندگی کو خوشگوار اور دین اسلامی کے مطابق بسر کرسکتی ہیں۔ اسی طرح ہم ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی سوانح حیات کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد ان کے چند ایک پہلو پر تبصرہ کریں گے کہ ہم اپنی زندگیوں میں کس طرح بہتری کا سامان پیدا کرسکتے ہیں۔

(۱) حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے امت مسلمہ کو یہ پیغام دیا کہ ہر حال میں دین اسلام کو فوقیت دینی چاہیے۔ انسان کی پیدائش کا مقصد ہی یہی ہے۔ اس کے لیے چاہے کتنے ہی کٹھن دور سے کیوں نہ گزرنا پڑے۔ جیسے آپ نے دین اسلام کو پسند کرتے ہوئے اپنے والد ابوسفیان کو مکہ چھوڑ کر اپنے شوہر کے ساتھ حبشہ ہجرت کی لیکن کچھ عرصے بعد جب ان کے شوہر عبیداللہ بن جحش مرتد ہوگئے تو ان کو لاکھ سمجھانے کے باوجود نہ ماننے پر تنہا زندگی بسر کرنا پسند کی۔ پھر نہایت صبر وشکر سے زندگی کے دن گزارنے لگیں۔

اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ دین اسلام کی راہ میں حائل اگر باپ، بھائی، شوہر میں سے جو بھی آئے تو فقط دین اسلام کو فوقیت دی جائے اور اللہ کی مدد ونصرت کا انتظار کرنا چاہئے لیکن ساتھ ہی یہ بھی سبق ہے کہ مصائب وآلام میں بھی اللہ رب العزت سے ناامید نہیں ہونا چاہیے۔ رب قادر اگر کسی ابتلا میں مبتلا کرتا ہے تو انسان کو اس مصیبت میں غرق کرنے کی غرض سے نہیں............(بقیہ ص ۲۰ پر)

●●

جو بھی کرنا ہے، آج ہی کرو!

مولانا شاہد رضا نجمی ازہری

اللہ رب العزت فرماتا ہے: وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ۔ (آل عمران: ۱۳۳) تیزی سے بڑھو اپنے رب کی بخشش اور جنت کی طرف، وہی جنت جس کی وسعتیں زمین و آسمان کو گھیرے ہوئی ہیں اور جو تقوی شعار لوگوں کے لیے بنائی گئی ہے۔

اس آیت کریمہ میں ہمیں تیزی سے رب کی طرف بڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ آخر کیوں؟ اس قدر جلد بازی اور عجلت پسندی کیوں؟ کیوں کہ موت کا کوئی بھروسہ نہیں، موت کسی بھی وقت آسکتی ہے۔ لمحے بھر موت میں تقدیم و تاخیر نہیں ہو سکتی۔

سورۂ اعراف کی ۳۴ ویں آیت ہے: وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ۔ ہر فرد کے لیے موت کا وقت متعین ہے، وقت مقرر آتے ہی انھیں موت آلے گی، لمحے بھر کے لیے نہ آگے ہوگی اور نہ پیچھے ہوگی۔

ہم بارہا کہتے ہیں کہ یہ کام کل سے کروں گا، پرسوں سے کروں گا، کل سے محنت کروں گا، کل سے نماز کا آغاز کروں گا، کل سے برائیوں سے باز رہنے کی کوشش کروں گا، کل سے اپنی صبح و شام کو منظم کروں گا، والدین کے ساتھ کل سے حسنِ سلوک اختیار کروں گا، وغیرہ مگر کل کبھی نہیں آتا۔ ہماری آرزوئیں ساتھ چھوڑ دیتی ہیں، امیدیں بر آور نہیں ہوتی، آج دیکھے گئے خوابوں کو کل شرمندۂ تعبیر ہونے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ قبرستان میں ہزاروں افراد سوئے ہوئے ہیں جو کسی 'کل' کے انتظار میں تھے، انھوں نے کل سے برائیوں کو ترک کرنے اور اچھائیوں کو اپنانے کا عہد کیا تھا مگر وہ 'کل' آنے سے پہلے ہی اِس دارِ فانی کو الوداع کہہ گئے۔ زندگی میں لوگوں کو جس قدر دھوکہ لفظ 'کل' نے دیا ہے، اس قدر کسی اور چیز نے نہیں دیا۔ یہ یقین کرلو کہ جس کا 'آج' نہیں اس کا 'کل' بھی نہیں۔ آج ہی محنت کرو، آج ہی بندگی کرو، آج ہی اپنی شب و روز منظم کرلو، آج ہی اچھے اخلاق کی راہ چلو اور 'کل' کے مکر و فریب سے ہمیشہ گریزاں رہو۔

بخاری شریف کی روایت ہے۔ معروف تابعی حضرت عبدالرحمٰن بن عسیلہ صنابحی رضی اللہ عنہ یمن سے ایک قافلہ لے کر مدینہ کی جانب روانہ ہوئے۔ منشا یہ تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ ناز میں حاضری دی جائے اور شرفِ صحابیت سے ہم کنار ہوا جائے، ان کے رخ تاباں کا دیدار کرکے ان کے عظیم اصحاب کی جماعت میں شمولیت اختیار کرلی جائے۔ جب ان کا قافلہ مکہ اور مدینہ کے وسط میں مقام 'جحفا' پہنچا تو وہاں مدینہ سے آئے ہوئے ایک فرد سے ملاقات ہوئی۔ قافلے والوں نے ان سے پوچھا کہ مدینہ میں حالات کیسے ہیں؟ جاں نثارانِ پیغمبر کے معاملات کیسے ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طبیعت کیسی ہے؟ ان کی آنکھیں نم ہوگئیں، ایک آہ بھر کر فرمایا: ہائے افسوس! پانچ دنوں قبل ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حیاتِ ظاہری کو ترک فرمادیا اور ہم انھیں لحد میں بھی اتار چکے ہیں۔ دَفَنَّا النَّبِيَّ صلَّى اللهُ عليه وسلَّمَ منذُ خَمسٍ لَيالٍ۔

محض پانچ دنوں کی تاخیر ایک بڑی جماعت کو صحابیت جیسے عظیم منصب سے محروم کررہی ہے جس منصب کے حاملین کے بارے میں اللہ رب العزت نے فرمایا: وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ (الحدید: ۱۰) اللہ رب العزت نے سبھی کے ساتھ خیر و رحمت اور بخشش و جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔ لہٰذا! اپنے کاموں میں ہرگز تاخیر نہ کرو۔ جو بھی کرنا ہے، جلد از جلد کرو! یہ زندگی ذخیرۂ آخرت کا ذریعہ ہے، اسے خوش نما اور خوش رنگ بنانے میں لگے رہو، خبردار! ہرگز اسے کل، پرسوں کے انتظار میں ضائع نہ کرو!!

کیا اپنے رب کو کبھی دیکھا ہے؟

کیا تم نے کبھی اپنے رب کو دیکھا ہے؟

سوال تحیر افزا ضرور تھا اور دل چسپ بھی۔ جواباً گویا ہوا:

(.......بقیہ ص ۳۹ پر)

منظومات

دل میں رقت ہو، آنکھوں میں پانی ہو

جب بھی مجھ سے ان کی مدحت خوانی ہو
دل میں رقت ہو، آنکھوں میں پانی ہو
نفس نفس مشغول ہو ان کی یادوں میں
رُو آں رُو آں سے مدحت اَرزانی ہو
ان کی سیرت اللہ کیا کہیے
جیسے شرحِ آیاتِ قرآنی ہو
ان کے اندازِ گویائی کے صدقے
جیسے گل اندام سے گل افشانی ہو
ایسا کوئی حاکم ہو تو دکھلاؤ
قلبِ عدو پر بھی جس کی سلطانی ہو
جیون میں وہ ساعت بھی آئے یا رب
ان کی چوکھٹ اور میری پیشانی ہو
آقا، مجھ کو بھی دیدار کی حسرت ہے
آقا، میرے حق میں بھی آسانی ہو
آقا اپنے جلووٗں سے آباد کریں
دل میں جب بھی احساسِ ویرانی ہو
لحد میں قدسی جب پوچھیں 'ما کنت تقول'
اور جوابًا میں نے نعت سنانی ہو
ان کو قبر میں دیکھا تو محسوس ہوا
جیسے یہ صورت جانی پہچانی ہو
ناموسِ آقا پر وہ خاموش رہے
جس کی رگوں میں بہتا خون بھی پانی ہو

(نتیجہ فکر: ندیم نوری)

آہ! مفتی ارشاد ساحل مصباحی

مہِ چرخِ ادب، ارشاد ساحل
سِدھارے سوئے رب ارشاد ساحل
رواں چشمِ الَم سے اشکِ فرقت
فُغانِ قلب و لب، ارشاد ساحل
تھے اک مصباحِ فیضانِ عزیزی
یہی کہتے ہیں سب، ارشاد ساحل
ہلال آسماں، تحریر ان کی
ضیائے چشمِ شب ارشاد ساحل
رگوں میں خوں کے بدلے روشنائی
قلم کے ذی نَسَب ارشاد ساحل
محقق اور مفکر کی ضرورت
ادیبوں کی طلب ارشاد ساحل
بنے کتنوں کی خاطر راہِ فن میں
بلندی کا سبب، ارشاد ساحل
ہمارے بیچ ہیں وہ یاد بن کر
گئے دنیا سے کب ارشاد ساحل
کتابوں اور مقالوں کے جہاں میں
رہیں گے زندہ اب ارشاد ساحل
قلم مشہور اُس گوشہ نشیں کا
ادیبِ خوش لقب ارشاد ساحل
رضا کے فیض سے اعدائے دیں پر
تھے اک برقِ غضب ارشاد ساحل
لحد میں پائیں وہ فضلِ خدا سے
گُلِ عیش و طرب ارشاد ساحل
جہانِ فقہ و افتا میں فریدیؔ
فقیہِ منتخَب ارشاد ساحل

(وصال: ۲۴ جولائی ۲۰۲۴ء / ۱۷ محرم الحرام ۱۴۴۶ھ بروز بدھ بوقت صبح)

(نتیجہ فکر: فریدیؔ صدیقی مصباحی، مسقط عمان)